يٰقَومِ اتَّبِعُونِ اَھدِکُم

سبیل الرّشاد

تبیرقان فی معارِف القرآن

کا ۵ حصہ جس میں سورۂ حجرات کی معنی خیز تفسیر ہے

از

خواجہ عبدالحیّ فاروقی

استاذ تفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر دہلی

قیمت

شاخ دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

اُردو بازار

دہلی ۶

شاخ بمبئی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

پرنس بلڈنگ

بمبئی ۳

۱۹۵۰ء

فہرست مضامین

مضمون

تمہید
طریق اشاعت
امۃً وسطاً
شہداء علی الناس
اولی الامر کی اطاعت
انتخاب امیر
شرائط امامت
مجلس شوریٰ

صفحہ	مضمون
۲۵	ارکان مجلس
۳۲	اصول اساسی
۳۴	مسئولیت

سورۃ الحجرات

صفحہ	مضمون
۳۸	سورۃ کا نام
۴۱	ترتیب نزول
۴۲	ما قبل سے ربط
۴۳	تلخیص مضامین
۴۸	موضوع سورت
۵۱	انتباہ

فصل اوّل

خلیفۂ امّت کے آداب

صفحہ	مضمون
۵۴	شان نزول

(جمہوری پریس لال کنواں دہلی)

مضمون	صفحہ
تقدیم کی ممانعت	۵۷
قاعدہ کلیہ	۵۸
رفع صوت	۶۰
ضیاع اعمال	۶۳
قانون کا مطلب	۶۷
اجر عظیم	۶۸
ایک اور حکم	۶۹
فساد انگیز پراپاگنڈا	۷۱
راہ عمل	۷۳
فریضۂ اصلاح	۷۴
اسلامی برادری	۷۸

فصل ثانی
انسداد شر

امتناعی احکام	۸۲

مضمون	صفحہ
بدگمانی	۸۶
جاسوسی	۸۸
غیبت	۹۲
انتخاب کی خرابیاں	۹۴
مساوات عمومی	۹۶
مزید تشریح	۱۰۰
حقیقت ایمان	۱۰۱
اللہ کا احسان	۱۰۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تمہید

دُنیا میں جس قدر مذاہب و ادیان ہیں، اگر اُن کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت صاف طور پر ذہن میں آجاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا روئے سخن اپنی اپنی قوم کی طرف تھا: وان من امۃ الا خلا فیھا نذیرا (۳۵: ۲۳) "اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے" ولکل قوم ھاد (۱۳:) "ہر ایک قوم میں ہادی اور راہ نما بھیجے گئے ہیں" ازمنہ ماضیہ کے واقعات اور جغرافیائی حالات بھی اسی کے مقتضی تھے، اس لئے کہ ان ایام میں بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے کی کوئی صورت نہ تھی، ہر قوم اپنے اپنے ملک میں آباد تھی، اور بعض تو اپنے حدود ملک سے باہر جانا خلاف مذہب و دیانت خیال کرتے تھے، چنانچہ کچھ پرانے خیال کے لوگوں میں اب تک یہ عقیدہ

مارے مارے پھرتے تھے۔ قسطنطین ہی کی بدولت اس میں زندگی کے آثار نمودار ہوئے، اس نے ۳۱۲ء میں تخت پر بیٹھتے ہی اعلان کر دیا کہ سلطنت کا مذہب عیسائی ہے، پھر جب قیصر تھودوسیس ۳۷۸ء میں سلطنت کا مالک ہوا تو اس نے ۳۸۱ء میں حکم نافذ کر دیا کہ رعایا کے ایک ایک فرد کو جبر واکراہ سے عیسائی بنالیا جاوے۔ اشوکا کی سرپرستی نے بدھ مذہب کو ہندوستان کے اطراف واکناف میں پھیلا دیا، اور مجوسیت اپنے نشو وارتقا کے لئے سائرس کی شکرگزار ہے۔

(۳) کتابوں کے ذریعہ سے عوام الناس تک اپنے خیالات پہونچا دیے جائیں، اور مصنفات وتالیفات کا سلسلہ قائم کر دیا جائے، تاکہ ان کے یقینیات کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ ہوتی رہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ صرف ایک ہی طریق تنہا کامیابی کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ دائمی فلاح وکامرانی اسی کو نصیب ہوگی جو تمام طرق تبلیغ پہ حاوی ہو، اور ہر طرح اپنے خیالات کی اشاعت میں مصروف ہو، یورپ کو دیکھیے، اس نے ایک طرف مبشرین مسیحیت کو ایشیائی ممالک میں بھیج دیا ہے، جو عموماً اپنے مصنوعی ورع وتقویٰ اور نمائشی طہارت و پاکیزگی سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں مبتلا کرتے ہیں۔ ان کی تائید وحمایت میں تمام عیسائی دول جنگی مظاہرے شروع کر دیتی ہیں۔ ساتھ ہی اس کے کتابیں

تالیف ہونا شروع ہو جاتی ہیں، جن میں ان مبلغین کی مظلومیت و
بے بسی، اور ایشیائی اقوام کی وحشت و بربریت، عصیان و تمرد، اور
جہالت و لاعلمی کی مفروضہ داستانیں لکھی جاتی ہیں۔ اخبارات میں
سلسلۂ مضامین شروع ہو جاتا ہے، ریڈیو سے روزانہ خبریں اور مضامین
نشر کئے جاتے ہیں، اور جدید ترین آلات خبر رسانی کے ذریعہ آن واحد میں
تمام دنیا کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ بنالیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد جوع
الارض کے عفریت کو خوش کرنے کے لئے جو نتائج نکلتے ہیں، قلم میں
طاقت نہیں کہ ان کو تحریر میں لاسکے۔

اُمّۃً وسطاً

مگر دراصل طرز تبلیغ ان نقائص سے ارفع و اعلیٰ ہونا چاہیئے، اگر
مبلغین و دعاۃ کے ایک ہاتھ میں تلوار ہو، تو دوسری طرف ان کے سر پر
ورع و پاکیزگی کا تاج بھی ہو، جب ان کو مخالفین سے لڑنا پڑے تو ہنگامی
جواب دینے کے بعد اُنہیں اپنی آغوشِ محبّت میں بھی لینے کو تیار رہوں
اور جس وقت وہ شرارت سے باز آجانے کا اقرار کرلیں تو ان سے عفو و
درگزر بھی کرسکیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا فرزند آمنہ کو بھیجا
جس کی ذات قدسی تمام انبیائے کرام و رُسل عظام کے خصائص

و امتیازات کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے تھی جنہوں نے ایک طرف تو بدر اور خیبر کے معرکوں میں تلوار چلائی، اور دوسری جانب فتح مکہ کے روز ان تمام مخالفین کو انتم الطلقاء فرما کر عفو عام دے دیا جو کل تک آپ کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے، جو ادھر تو ساری ساری رات فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا (۴: ۴۰) "بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے احوال بتانے والوں کو بلائیں گے، اور تم کو ان لوگوں کا گواہ طلب کریں گے"۔ کی تلاوت اور درس و مطالعہ میں مصروف رہتے، اُدھر احد اور حنین میں فوج کے پیش پیش بھی آپ ہی ہوتے۔

یہی وہ رسول تھا جس نے جملہ مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کو اپنے جھنڈے تلے آنے، اور آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کی دعوت دی، اس لئے کہ وہ تمام رہ نمایان ملل کا نمونہ صفات حسنہ کا جامع، اور کامل انسانیت کا پیکر مجسم تھا۔ یہی وجہ ہے، کہ اس کی اُمت کو اُمۃً وّسطاً کا لقب دیا گیا، اور اس کو شھداء علی الناس کے درجۂ علیا پر فائز کیا گیا: وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (۲: ۱۴۳) "اور اس طرح ہم نے تم کو معتدل اُمت بنایا ہے تاکہ

تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر آخر الزماں تم پر گواہ بنیں"۔ جس میں افراط نہ تفریط، جس نے عبداللہ کو ابن اللہ نہیں بنایا، بلکہ اس کی فضیلت و برتری اسی عبداللہ ہی ہونے میں محصور کر دی، اور جس نے کفارہ کے غلط اور دور از عقل عقیدے کی جگہ ہر شخص کو ایک ذمہ دار اور جواب دہ انسان قرار دیا۔

شہداء علی الناس

تمام مذاہب [illegible] ہو چکی تھی خود انبیائے کرام کی طرف مہمل روایات اور دور [illegible] افسانے منسوب کئے جاتے تھے حضرت سلیمان کے واقعات قصص یہود و روایات طالمود میں بے حد مسخ ہو گئے تھے، یہودیوں کے یہاں حضرت سلیمان کی وہی حیثیت ہو گئی تھی جیسی عوام مسلمانان ہند میں امیر حمزہ نامی ایک فرضی ہیرو کی، صدہا مزخرفات و مافوق الفطرۃ عجائب و غرائب ان کی طرف منسوب ہو گئے تھے اور گھر گھر پھیل گئے تھے۔ اسلام نے آتے ہی وما کفر سلیمٰن ولٰکن الشیٰطین کفروا (۲: ۱۰۲) "اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی، بلکہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے" [illegible] انبیائے عظام کے دامن کو آلودگی عصیان سے پاک دکھایا۔ [illegible] کہہ کر مریم بتول کی طہارت کا اعلان کیا اور لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملٰئکۃ المقربون

(۴ : ۱۷۱) مسیح علیہ السّلام کے عبداللہ ہونے کو بیان کیا۔ احبار رہبان اور براہمہ ہی صرف کتب الہٰیہ کے درس و مطالعے سے بہرہ اندوز ہوسکتے تھے، اور صرف انہیں لوگوں کے پروانہ ہائے راہ داری لوگوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دلا سکتے تھے، قرآن نے ان تمام مزعومات کی قلعی کھول دی، یایھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ، وجعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم (۴۹ : ۱۳) "لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے" کہہ کر بتا دیا کہ اللہ کی نظر میں سب ایک ہیں، اور عزت صرف اس شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جو تقویٰ اور طہارت سے آراستہ ہو، غرض قرآن کے نزول کا مقصد یہی تھا: لتخرج النّاس من الظلمٰت الی النور (۱۴ : ۱) "تاکہ تم لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں لے جاؤ" اور تضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (۷ : ۱۵۷) "اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان کے سر پر اور گلے میں تھے اُتارتے ہیں"۔

ان تمام اقوام و ملل کی اصلاح و تہذیب کا مسلمانوں کو ذمہ دار قرار دیا گیا، اور اُنہیں سب کا نگراں بنا دیا گیا کہ خود نمونہ بن کر ایک ایک انسان کے اخلاق و اعمال کی حفظ و صیانت کریں، اور اسے فسق و فجور سے بچائیں: وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرّسول علیکم شھیدا، اسی ذمہ داری کو حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ، وذالک اضعف الایمان،

تم میں سے جو شخص کسی بُرائی کو دیکھے تو اسے اپنی قوت سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی کرنے سے دریغ نہ کرے، اور اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو دل سے ضرور نفرت رکھے، اور یہ ایمان کی ضعیف ترین حالت ہے۔" اسی لئے ان کو خیر امت اخرجت للناس کے لقب سے سرفراز کیا گیا، تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر ان کا طغرائے امتیاز ہے، اور یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً ان کا وصف خصوصی، مگر کوئی جماعت اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتی، جب تک کہ طہارت و پاکیزگی، اور ورع وتقویٰ کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ میں قوت و طاقت نہ دی جائے

اس لئے کہ خدا کی اسی زمین پر بعض لوگ ایسے بھی بستے ہیں جو صرف قوت کے آگے گردن جُھکا سکتے ہیں، اِس لئے قرآن نے ببانگ دہل اس حقیقت کا چار دانگ عالم میں اعلان کر دیا: وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم (۲۴: ۵۵) "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے، اور نیک کام کرتے رہے، ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنائے گا، جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔" کہ خلافتِ ارضی کے حقیقی وارث صرف فرزندانِ اسلام ہی ہیں، اور یہی اس امر کے ذمہ دار ہیں، کہ دنیا کے کسی گوشہ میں شرک و بت پرستی نہ ہونے دیں، اور ہر جگہ صرف ایک اللہ کی پرستش ہو۔

اولی الامر کی اطاعت

غرض قرآن کریم کا قانون دنیا میں رائج کرنے کے لئے جو حکومت اپنے تئیں وقف کر دے، وہ مسلمانوں کے لئے اولوالامر کا درجہ رکھتی ہے جس کی اطاعت سے کوئی مسلمان سرتابی نہیں کرسکتا، اِس لئے کتاب وسنت نے کثرت سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر زور دیا: یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (۴: ۶۲) سورۂ نساء میں آتا ہے: ولو ردوہ الی الرسول

والیٰ اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم
(۴: ۸۳) "اور اگر اس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس
پہونچاتے، تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کرلیتے"۔ مسند امام احمد
میں ہے: انا امرکم بخمس' اللہ امرنی بھن' الجماعۃ' والسمع
والطاعۃ' والھجرۃ' والجھاد فی سبیل اللہ' ومن خرج من
الجماعۃ قید بشر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ' الا
ان یراجع' ومن دعا بدعوی جاھلیۃ فھو من جثی جھنم'
قالوا یا رسول اللہ وان صام وصلی' قال وان صام و
صلی وزعم انہ مسلم' فادعوا المسلمین باسمائھم علی
ما سماھم اللہ' المسلمین المومنین عباد اللہ' "میں تمہیں پانچ
چیزوں کا حکم دیتا ہوں، اتباع جماعت' امیر کی اطاعت و فرمانبرداری
ہجرت' جہاد فی سبیل اللہ' جو شخص ایک بالشت بھر بھی جماعت
سے الگ ہوا تو گویا اُس نے حلقۂ اسلام کو اپنی گردن سے
نکال دیا اور جس شخص نے دُعاوی جاہلیت کی طرف بلایا تو وہ
جہنم میں داخل ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا، اگرچہ وہ نماز و روزہ
کا پابند ہو' فرمایا ہاں، تم مسلمانوں کو اس نام سے پکارا کرو جو
خدا نے ان کا نام رکھ دیا ہے' تمام ارباب ایمان اللہ کے بندے ہیں"

بخاریؒ میں ہے : من اطاعنی فقد اطاع اللہ، ومن اطاع امیری فقد اطاعنی، ومن عصیٰ امیری فقد عصانی "جس نے میری اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ میرے امیر کی اطاعت میری فرماں برداری ہے، اور میرے امیر کی نافرمانی دراصل میری نافرمانی" ایک روایت میں اس طرح آتا ہے: من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیٰمۃ ولا حجۃ لہٗ ومن مات و لیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ، "جس نے اپنے امیر کی نافرمانی کی تو قیامت کے روز وہ اللہ کے دربار میں کوئی عذر نہ پیش کر سکے گا۔ اور جو شخص بیعت کیے بغیر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

اس قسم کی روایات اور بھی جمع کی جا سکتی ہیں، جو اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ امیر کی اطاعت ضروری ہے کیوں کہ جب تک اس کی اطاعت نہ کی جائے گی، کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔

انتخاب امیر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس امیر اور خلیفہ کے انتخاب کی کیا صورت ہو گی، قرآن حکیم نے اصول کے طور پر ہمیں ایک

چیز بتائی ہے، اور وہ یہ ہے : وامرھم شوری بینھم (۴۲:۳۸)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب امیر کے فریضہ کو خود امت کے ہاتھوں میں دے دیا کہ وہ جس کو اہل خیال کرے، اس کے ہاتھ میں اپنی باگ دے دے، اس طرز عمل سے آپ نے دُنیا پر یہ واضح کر دیا کہ خلیفہ اور امام کے معین کرنے میں اُمت کو کامل اختیار دے دینا چاہیے تاکہ وہ خود اپنی حُریت فکر و اجتہاد رائے سے کام لے کر دیکھ لے کہ اس کی راہ نمائی کی سب سے زیادہ اہلیت کس شخص میں ہے، ادھر آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ حکومت اور خلافت کسی خاص خاندان کا موروثی ترکہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مہاجرین و انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے، اور تھوڑی سی بحث و مشاورت کے بعد ارباب حل و عقد نے اپنے میں سے بہترین انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا، جب خلیفہ اوّل کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے ذمہ دار ارکان جمہوریت سے فرداً فرداً رائے لے کر اور سب کو متفق پاکر حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا، جن کے ہاتھ پر تمام امت نے بیعت کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس مقرر کرکے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اپنے میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں، اور پھر اسی کے ہاتھ پر بیعت عامہ ہو، چنانچہ حضرت عثمان کا انتخاب عمل میں آیا، اور سب نے ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا، ان کے مقتول ہونے پر فتنہ وفساد کا باب کھل گیا، مگر مدینہ منورہ میں اس وقت جس قدر ارباب حل وعقد جمع تھے، اُنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو اپنا امیر چن لیا۔

تم اس طریق انتخاب کو پڑھو، اور بار بار پڑھو، تم دیکھو گے کہ اس میں نسل، خاندان وغیرہ کسی چیز کو دخل نہیں۔ اگر یہ چیز اسلام کے پیش نظر ہوتی تو سب سے پہلے رسول اللہ اس خلافت کو صرف بنو ہاشم میں منحصر کر دیتے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس اختیار کو اُمت کو دے دیا، ابوبکرؓ نے بھی اسی اسوۂ حسنہ پر عمل کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس کو اور زیادہ واضح کر دیا، آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو اس کمیٹی کا ایک رُکن بنایا جو آپ کی وفات کے بعد انتخاب خلیفہ کے مسئلہ پر غور کرنے والی تھی، تاکہ اس مسئلہ میں ان کی اصابت رائے سے فائدہ اُٹھایا جاسکے

مگر ساتھ ہی اس کے یہ شرط بھی لگا دی کہ اگر بالفرض کمیٹی کی کثرت رائے بھی اس کو خلیفہ انتخاب کرلے تو بھی وہ خلیفہ نہیں بن سکتا۔

اسلام کا حقیقی طریق حکومت یہی تھا جو ہمیں خلفائے راشدین کے زمانہ میں دکھائی دیتا ہے؛ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین اور انہیں بزرگانِ ملت کا طریق عمل ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

شرائط امامت

اس باب میں قرآن مجید نے بالکل صاف صاف اور کھلے کھلے احکام صادر فرمائے ہیں، حکومت اور امت کا نظم و ادارہ دراصل ایک عظیم الشان امانت ہے جو کسی کے سپرد کی جاسکتی ہے، اس لئے اس نے بغیر رنگت اور نسل کی تخصیص کے یہ بتا دیا کہ: ان تودوا الامانات الی اھلھا "ہر ایک امانت اس کے اہل کو دی جائے" اور اسی لئے حدیث میں علامات قیامت میں سے آپ نے یہ علامت بھی بتائی: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ جب ایک کام کسی ایسے شخص کے سپرد کردیا جائے گا جو اس کے کرنے کا اہل نہ ہوگا۔ تو اس کام کے خاتمہ

اور قیامت کا انتظار کرو“ اس لئے کہ جب ایک شخص کسی کام کا اہل نہیں ہوگا، تو وہ اُسے خراب و برباد کرنے کے سوا اور کیا کرے گا۔

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کا قصہ تم نے بارہا پڑھا ہوگا، انہیں ایک بادشاہ کی ضرورت ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ صرف ارباب دولت و ثروت ہی حکومت کے حق دار ہیں، مگر قدرت کی نظر انتخاب اس شخص پر پڑتی ہے جو اس اعتبار سے بالکل تہی دست اور مفلس ہے، اور قوم کا اس کی نسبت یہ فیصلہ ہے ولم یؤت سعة من المال، ”اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں“ مگر ناموسِ الٰہی نے اُنہیں جواب دیا: ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطة فی العلم والجسم (۲: ۲۴۷) حکومت کے لئے بہترین علم سیاست و جہاں داری کی ضرورت ہے، داخلی و خارجی تنظیم و اصلاح سے واقفیت ہو بین الاقوامی تعلقات، فلسفہ عروج و زوال، اور ارتقائے قومی کی تمام راہیں معلوم ہوں، ہر ایک مسئلہ میں بصیرت ناقدہ اور اجتہاد فکر سے کام لینے کی قابلیت ہو، فنون حرب کی مہارت تامہ اور وسائل جنگ کا علم بھی لازمی ہے، بزدلی اور نامردی سے بھی

دُور رہو، اور یہ اوصاف وکمالات صرف طالوت ہی میں پائے جاتے ہیں۔

سورۂ مجادلہ میں آتا ہے: یرفع اللہ الذین امنوا منکم و الذین اوتوا العلم درجٰت (۵۸:۱۱) "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں، اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، خدا اُن کے درجے بلند کرے گا۔" اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے قدر و منزلت کا اعلیٰ ترین مرتبہ خلافت و امامت اس شخص کو دیا جائے جس نے دُنیائے اسلام میں سب سے زیادہ ایثار و قربانی سے کام لیا ہو، اور جو تمام علوم سیاست و دیانت پر حاوی ہو، سُورۂ نسار میں ہے: واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ، ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ۔ تو اس سے بھی یہی مُراد ہے، کہ خلیفہ اور امام وہی شخص بن سکتا ہے جو حُریت عقل و اجتہادِ فکر سے کام لے سکے، جو استنباطِ نتائج و شواہد اور استخراج اُصول و کلیات کی قابلیت رکھتا ہو، اور جسے سیاست اقوام میں خوب دَخل حاصل ہو، سُورۂ حجرات کی اِس آیت نے ایک اور مزید شرط لگا دی: ان اکرمکم عنداللہ اتقکم، انتخاب صدر کی اعلیٰ ترین و اولین شرط و

خصوصیت تقویٰ ہے۔

ان تصریحات سے یہ معلوم ہوگیا کہ شریعت نے کسی خاندان کو خلافت کے لئے مخصوص نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا: ان ادرکنی اجلی وابوعبیدۃ حی استخلفتہ وان ادرکنی اجلی وقد مات ابوعبیدۃ استخلفت معاذ بن جبل "اگر میری وفات کے وقت ابو عبیدہ زندہ ہوئے تو میں اُنہیں اپنا خلیفہ نام زد کر جاؤں گا، اور اگر وہ فوت ہوگئے تو معاذ بن جبل کو مقرر کر جاؤں گا"۔ اور ایک دفعہ یہی بات آپ نے حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم کے لئے فرمائی تھی۔

حدیث شریف میں "الائمۃ من قریش" وارد ہوا ہے، ہمارے نزدیک الائمۃ میں الف لام عہد ذہنی مان لیا جائے، اور دوسری حدیث کو اس کی طرف مشیر سمجھا جائے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ خلفا کی خبر دی ہے، اور جن کا برسر اقتدار ہونا قیامت سے پہلے لازمی ہے، تو ساری وقت حل ہو جاتی ہے، اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

مگر چونکہ اس ارشاد رسالت کا سیاق کلام عام ہے، اس لئے

تمام مسلمان مصنفین نے خلافت کی تمام شرائط میں ایک شرط قرشیت بھی تسلیم کی ہے، ظاہر ہے کہ یہ قریش کوئی ایک خاندان یا قوم نہیں، بلکہ ایک بہت بڑا قبیلہ ہے جس کی موجودہ مردم شماری اگر تلاش سے دیکھی جائے تو کئی کروڑ نفوس پر مشتمل ہوگی۔ پس جو اعتراض بعض لوگوں کو اس شرط کی وجہ سے پیش آتا ہے، وہ اس وقت وارد ہو سکتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم وغیرہ کی شرط لگاتے۔

مجلس شوریٰ

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا، اس سے ہر شخص بآسانی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ قرآن حکیم نے کس قسم کی حکومت کی بنیاد ڈالی تھی جب کہ دُنیا کے تمام اطراف میں صرف شخصی حکومتیں قائم تھیں، اسلام نے بالکل ایک جدید اور صحیح ترین راہ عمل پیش کی، ممکن ہے بعض لوگوں کو گمان ہو کہ اس انتخاب کے بعد خلیفہ بالکل خود مختار ہو جاتا ہوگا، لیکن دراصل اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

قرآن نے مسلمانوں کی امتیازی خصوصیت وامرهم شوریٰ بینهم بیان فرمائی ہے، اس لئے خلیفہ کو ایک مجلس شوریٰ منعقد کرنی پڑے گی، جو اس کو تمام مہمات اُمور ملکی میں مشورہ دے گی، حدیث میں آتا

ہے : ماتشاور قوم قط الاھد والارشد امورھم جب کبھی ایک جماعت کسی کام کے لئے مشورہ کرتی ہے تو باہمی بحث و مشاورہ کی وجہ سے بہترین راہ اس کے سامنے آجاتی ہے" سورۂ آل عمران کی تفسیر میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ اگر چہ جنگ اُحد کے متعلق آپ کی رائے شہر کے اندر رہ کر لڑنے کی تھی، مگر کثرت رائے کے مطابق آپ نے باہر جاکر لڑنے کا فیصلہ کیا، اور تو اور واقعہ افک تک میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر میں نے کسی شخص کو مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

یہ تو اُس ذات اقدس کا حال تھا جس کو انسانوں کے مشورہ کی ضرورت نہ تھی، مگر اس نے اپنے طرز عمل سے آنے والی نسلوں کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کر دیا کہ ایک انسان خواہ وہ روحانیت اور تعلق باللہ کے کیسے ہی بلند ترین مقام پر پہنچ گیا ہو، وہ مشورہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، چنانچہ اب ان کو دیکھو جنہوں نے اس قدسی صفت انسان کی آغوشِ رحمت میں تربیت حاصل کی تھی، اور جو اس کی صحبت و ہم نشینی کی برکت سے دُنیائے اِسلام کے سردار بن گئے تھے، بنو سقیفہ کی بیعت کے دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی،

اور اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت کی طرف سے حسب ذیل خطبہ دیا:۔

"لوگو! خدا کی قسم، نہ مجھے اس امارت کی ضرورت تھی، نہ میں نے کبھی اس کی خواہش کی، اور نہ میں نے کبھی اس کے لئے دُعا کی، لیکن میں ڈرا کہ کہیں فتنہ برپا نہ ہو جائے، اس لئے میں اس عظیم الشان بوجھ کو اُٹھانے کے لئے تیار ہو گیا، مجھے اِس میں کوئی راحت نہیں، یہ ایک ایسا ناقابل برداشت بار ہے جس کو اُٹھانے کی میں اپنے میں طاقت نہیں پاتا، اور اللہ کی امداد کے بغیر اس کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا، کیا اچھا ہوتا اگر کوئی دوسرا شخص میری جگہ پر ہوتا، جو اس بوجھ کو اُٹھا سکتا، گو تم نے مجھے اپنا امیر منتخب کر لیا ہے، مگر میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر اچھا کام کروں تو میری امداد کرو، اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کر دو، تم میں سے کمزور میرے نزدیک قوی ہے، جب تک اس کا حق نہ دلوا دوں، اور تم میں سے قوی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس سے حق نہ لے لوں، جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں، تم میری اطاعت کرو، اور ان کی نافرمانی کروں تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تو بہت کثرت سے واقعات اس کی

تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں، وہ ہمیشہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جو خیر خواہی کی بات ہو مجھ تک پہنچا دو، اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کر دو، اور اگر راہِ حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو۔ بلکہ بعض اوقات وہ اس اہلیت کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ دورانِ تقریر میں انہوں نے لوگوں سے سوال کیا کہ اگر میں غلطی کروں تو تم کیا کرو گے، فوراً ایک بدوی نے تلوار کھینچ لی، اور کہا کہ اگر تم حق سے روگردانی کرو گے تو ہم اس سے تمہیں سیدھا کر دیں گے، آپ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے، اور فرمایا کہ الحمدللہ میری قوم میں اس قسم کے لوگ موجود ہیں کہ اگر میں غلط راہ اختیار کر دوں تو میری اصلاح کرنے کو تیار ہیں۔

آپ کے زمانہ میں جو مجلس شوریٰ تھی اس میں مہاجرین و انصار شریک ہوا کرتے تھے تاریخ کی کتابوں میں ارکانِ مجلس میں سے حضرت عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، اور زید بن ثابت کے اسمائے گرامی خاص طور پر ذکر کیے گئے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں: کان من سیرة عمر انه کان یشاور الصحابة و یناظرهم حتیٰ تنکشف الغمة و یاتیه العلم، "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی سب سے بڑی

خصوصیت یہ تھی کہ وہ صحابہ کے ساتھ بحث و مشاورہ کیا کرتے، تاآں کہ حقیقت اصلیہ سامنے آجاتی" عراق اور شام کی فتح کے بعد بعض صحابہ کا اصرار تھا کہ تمام مفتوحہ مقامات کو فوج کی جاگیریں تقسیم کردینا چاہیے، اس کو طے کرنے کے لئے تمام قدمائے صحابہ، مہاجرین و انصار، قبیلہ اوس کے پانچ نمائندے، اور خزرج کے پانچ نمائندے مجلس مندوبین میں شریک ہوئے، پانچ روز تک اس کے مسلسل اجلاس ہوتے رہے، اور لوگوں نے پوری آزادی کے ساتھ تقریریں کیں۔

اس قدر تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام نے صرف شوریٰ کی حکومت قائم کی ہے، جو نہ صرف قانون ساز جماعت ہے بلکہ اس کو عزل و نصب خلیفہ کا بھی پورا حق حاصل ہے۔

ارکانِ مجلس

جس طرح قرآن حکیم نے مجلس شوریٰ کا انعقاد ضروری قرار دیا، اسی طرح اس نے یہ بھی بتا دیا کہ کن لوگوں کو اس کا رکن بنایا جا سکتا ہے، اور وہ کون ہیں جنہیں اس کے لئے کھڑے ہونے کا موقع ہی نہ دینا چاہیے، اگر آپ گزشتہ اوراق کو ایک مرتبہ دیکھ لیں جہاں ہم نے شرائط امامت کے عنوان کے ماتحت ان امور کو بیان کیا ہے

جن کا ایک امام اور خلیفہ میں ہونا ضروری ہے تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے بھی دراصل وہی شرائط ہیں جو امامت کے لئے ہیں، چوٹی کے لوگ منتخب ہوں، جو اپنے علم و فضل، ورع و تقویٰ، عقل و بصیرت، اور ایثار و قربانی کے اعتبار سے تمام مسلمانوں میں اعلیٰ ترین شمار کئے جاتے ہوں، جن کی تمام زندگی ملک و قوم کی خدمت میں بسر ہوئی ہو اور جو کلیات قرآن و حدیث کو حسب مقتضیات زمانہ تمام جزئیات پر منطبق کر کے ان سے نتائج صحیحہ اخذ کر سکتے ہوں۔

ظاہر ہے کہ مجلسِ شوریٰ کا رکن ہر ایک مسلمان ہو سکتا ہے صرف قابلیت شرط ہے، دولت کی ضرورت نہیں جس وقت وحی آلہیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مشاورت میں شریک ہونے سے قبل صدقہ دیا کریں، تو بعض نادار مسلمان اس کی شرکت سے رک گئے، حال آں کہ وہ ہر طرح اس کے اہل تھے، صرف دولت اُن کے پاس نہ تھی، تو فوراً اس قید کو دور کر کے ان کو شوریٰ میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی: ءاشفقتم ان تقدموا بين يدی نجوكم صدقت فاذلم تفعلوا و تاب الله عليكم، فاقيموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة واطيعوا الله ورسوله، والله

خب[illegible] تعملون (۵ [illegible]) کیا تم اس سے کہ پیغمبر کے کان میں کوئی بات [illegible] پیش کیا کرو ڈر گئے، پھر جب تم نے ایسا نہ کیا، اور خدا نے تمہیں معاف کر دیا تو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا اور اُس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرتے رہو، اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے خبردار ہے۔"

بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ پر یہ اعتراض کیا کہ وہ ابن عباسؓ کو اپنی مجلس مشاورت میں شریک کرتے ہیں، حال آں کہ اُن کی عمر بہت کم ہے، اور ان صحابہ کی طرف توجہ نہیں کرتے جو اُن سے عمر اور تجربہ میں بڑھ کر ہیں، انہوں نے اس نکتہ چینی کو سُن کر خاموشی اختیار کی، اور ایک روز تمام صحابہ کو بلا کر ہر ایک سے پوچھا کہ سورۂ نصر کا کیا مطلب ہے، ہر ایک نے اپنی اپنی رائے ظاہر کی، ابن عباس بھی ایک طرف کو بیٹھے ہوئے تھے، آخر میں ان سے دریافت کیا گیا تو اُنھوں نے عرض کیا کہ اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اعلان ہے، آپ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے، اس پر سب کے سب خاموش ہو گئے۔

صحابہ کا عام دستور تھا کہ وہ ازواج مطہرات سے مشورہ کیا کرتے تھے، ان سے بحث و مناظرہ ہوتا تھا، اور اکثر مسائل کا فیصلہ ان کی رائے

کے مطابق ہوتا تھا۔

گویا مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے صرف قابلیت کو خلفائے راشدین کے زمانہ میں دیکھا جاتا تھا۔

البتہ اس انتخاب میں مسلمانوں کا ایک فرض ہے، جس کی حفظ و نگہداشت ان کا اوّلین فرض ہے، اور وہ یہ ہے کہ اپنا نمایندہ منتخب کرتے وقت وہ یہ اچھی طرح دیکھ لیں کہ جس کو ہم اپنا نمائندہ بنا کر مجالس ملیہ میں شرکت کا حق دے رہے ہیں، اس میں کوئی ایسی کمزوری تو موجود نہیں جس کو ترجمان الٰہی نے نفاق عمل سے تعبیر کیا ہے، یعنی اہلیت انتخاب پر غور کرتے وقت امور مذہبیہ کے ساتھ شغف اور خصوصاً تبلیغ حقانیت کے جذبہ صحیحہ کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اصول اساسی

جس مجلس کی ترتیب و تنظیم کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس کے اغراض و مقاصد پر بھی قرآن نے پوری روشنی ڈالی ہے، ایک جگہ آتا ہے: یاٰ یھا الذین اٰمنوا اذا تناجیتم تناجوا بالاثم والعدوان و معصیت الرسول وتناجوا بالبر والتقوٰی ط (۹:۵۸) مومنو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا بلکہ نیکوکاری، اور

پرہیزگاری کی باتیں کرنا، یہ بھی ہے : ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانت الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ سورۂ نساء میں ہے : لاخیر فی کثیر من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس (۴:۱۱۴)
"اُن لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے"
آج کل یہ عام دستور ہے کہ جو سفید اقوام رنگین قوموں پر حکمران ہیں، وہ رنگین اور سفید آدمی کے درمیان فیصلہ کرتے وقت اپنی قوم کا ساتھ دیتی ہیں، اور عدل و انصاف کی پروا نہیں کرتیں، کیوں کہ اگر وہ حق پرستی کا خیال کریں، اور رنگین شخص کو سفید کے مقابلہ میں کامیاب کر دیں تو اُن کے رُعب میں فرق آجائے گا، مگر جو قومیں حق پرستی کی مُدّعی ہوں، اور تہذیب و شائستگی کی دعوے دار ہوں اُنہیں اِس سے بلند تر ہونا چاہیے : انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ و لا تکن للخائنین خصیما، (۴: ۱۰۵) "اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو، اور دیکھو دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث و حجت نہ کرنا۔"

قرآنِ حکیم نے مجالسِ شوریٰ کے ارکان کو حسب ذیل حکم دیا ہے
ولا تجعلوا اللّٰہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا و تتقوا و تصلحوا
بین الناس، (۲: ۲۲۴) "اور خدا کے نام کو اس بات کا حیلہ نہ
بنانا کہ اس کی قسمیں کھا کھا کر سلوک کرنے اور پرہیزگاری کرنے والے
لوگوں میں صلح و سازگاری کرنے سے رُک جاؤ" ہر سلیم الفطرت اس
آیت سے یہ استنباط کر سکتا ہے کہ جو لوگ کسی حکومت کے تنخواہ دار
ممبر ہو کر مجالس قانونی میں شریک ہوتے ہیں، ان پر باوجود حلفِ
اطاعت اُٹھا لینے کے حق و انصاف کی ذمہ داری باقی رہتی ہے
جس کے لئے ان کو احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونا پڑے گا

مسئولیت

اب ہم سب سے آخر میں یہ بتانا چاہتے ہیں، اور اسی پر اپنی
تمہید کو ختم کر دیں گے کہ خود ان ارکان کی مسئولیت اور ذمہ داری
کس قدر اہم ہے، اِنسان کو ہر قسم کی معصیت سے بچانے والا اگر کوئی
خیال ہے تو وہ اپنی ذمہ داری کا احساس اور اللہ کا خوف ہے،
اگر یہ چیز نہیں تو اُسے کوئی چیز ارتکاب گناہ سے نہیں روک سکتی،
یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار قیامت کا تذکرہ کیا ہے۔
اِن ارکانِ خلافت کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے: للّٰہ مافی

السمٰوٰت وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے، تم اپنے دِلوں کی بات کو ظاہر کروگے تو، اور چھپاؤگے تو، خدا تم سے اس کا حساب لے گا" سورۂ نمل میں آتا ہے: وان ربک لیعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون (۲۷: ۷۴)، اور جو باتیں اُن کے سینوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں، اور جو کام وہ ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار ان سب کو جانتا ہے"۔ سُورۂ مجادلہ میں فرمایا: الم تر ان اللہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلٰثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذٰلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانوا ج ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیٰمۃ ط ان اللہ بکل شیٔ علیم (۵۸: ۷) کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، خدا کو سب معلوم ہے کسی جگہ تین شخصوں کا مجمع اور کانوں میں صلاح ومشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے، اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے، اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ کہیں ہوں، پھر جو جو کام یہ کرتے رہے

ہیں، قیامت کے دِن وہ ایک ایک ان کو بتائے گا بے شک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔"

یاد رکھو یہ صرف الفاظ ہی نہ تھے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں بلکہ صحابۂ کرام نے ان پر عمل بھی کرکے دکھا دیا، اور یہی اربابِ ایمان ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں، حضرت ابوبکرؓ کا اوّلین خطبہ تمہارے سامنے ہے اس کا ایک ایک لفظ احساسِ ذمہ داری ومسئولیت سے بھرا ہوا ہے وفات کے وقت اُنہوں نے تمام وہ رقوم بیت المال کو واپس کر دیں جو انہوں نے تنخواہ کے طور پر وصول کی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے متعلق صرف ایک واقعہ کا ذکر دینا کافی ہے، ایک مرتبہ اُنہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے دریافت کیا کہ کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ ہم لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا، اللہ کی راہ میں ہجرت کی، اور ہمیشہ رسولؐ کی خدمت میں رہے، قیامت کے روز برابر سرابر چھوٹ جائیں، نہ کوئی ثواب ملے، اور نہ عذاب ہو، ابوموسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں، اور ہمیں ان کے ثواب کی توقع ہے، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر کہا، خدا کی قسم میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ پکڑ نہ ہو، اور چھوٹ جاؤں، وفات کے وقت ان کی زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

ظلومٌ لنفسی غیر انی مسلمٌ

میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں مسلمان ہوں

اصلی الصلوٰۃ کلہا واصومُ

اور صوم وصلوٰۃ کا پورا پابند ÷ ÷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحجرات

(رکوع ۲ - آیات ۱۸)

سورۃ کا نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نہ صرف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب ہی میں مصروف تھی، بلکہ تزکیۂ نفوس اور تعلیم حکمت بھی اس کے سپرد تھی، وہ اگر مسجد میں نماز کے واجبات و سنن بتاتے تھے، تو فصل خصومات کے وقت قاضی بھی تھے ایک طرف وہ اخلاق کی تہذیب و شائستگی کے معلم بنا کر بھیجے گئے تھے، تو دوسری جانب بدر اور احد کی لڑائیوں میں لڑنے والوں کے مقامات کی تعین، طریق جنگ کی تعلیم فوج کا نظم اور ڈسپلن بھی آپ ہی سے متعلق تھا، اگر فتح مکہ کے روز فاتح جرنیل کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوتے تھے، تو امت

مسلمہ کی تشکیل و تنظیم، قوانین کی ترتیب و تدوین، خارجی سیاست کے اُصول و ضوابط، اور بین الاقوامی تعلقات و روابط بھی آپ ہی فرماتے تھے۔

پس جس قدسی صفت اِنسان کی یہ شان ہو، اُس کا یہ بھی کام تھا کہ وہ مسلمانوں کو ہر قسم کے اخلاق اور اعمال کی تعلیم دے، جو ان کو نہ صرف ایک مفید شہری بنا دے، بلکہ وہ عام نوعِ اِنسانی کے لئے فائدہ بخش اور نافع عضو ثابت ہوں، جن لوگوں نے رسول اللہ کے سوانحِ حیات کو سرسری نظر سے بھی دیکھا ہے، وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ کوئی ایسا شعبۂ حیات نہیں جس کے لئے آپ کی تعلیمات موجود نہ ہوں، اور جہاں آپ کے اُسوۂ حسنہ نے ہماری راہ نمائی نہ کی ہو۔

فتوحات کا زمانہ ہے، تمام عرب میں اِسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے، ہر طرف سے قبائل اِسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینۃ النبی میں حاضر ہو رہے ہیں، دربارِ رسالت میں وفود اپنے اپنے شعوب و قبائل کی طرف سے اِسلام اور وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں، ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اجتماعی اور سیاسی زندگی کے مراتب مختلفہ کے متعلق ایک مرتب و مدون قانون دیا جائے، جو

اُن کے ہر گوشۂ حیات میں مشعلِ راہ کا کام دے سکے، اور اُنہیں کسی جگہ بھی ٹھوکر نہ لگے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ اقرع بن حابس تمیمی دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، اتفاق سے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے تھے، یہ لوگ زیادہ انتظار نہ کر سکے، اور مکان کے باہر ہی سے یا محمدؐ یا محمدؐ کہہ کر پکارنا شروع کیا، جب آپؐ اندر سے کوئی جواب نہ دیا تو اقرع نے زور سے کہا: ان حمدی زین وان ذمی شین "میری زبان سے کسی شخص کی مدح و ستائش اس کی زینت کا باعث ہو جاتی ہے، اور میں نے جس کی مذمت کی پھر اُس کی تعریف کرنے والا کوئی نہیں" آپ نے فرمایا کہ یہ بات صرف اللہ کے اختیار میں ہے، ابنِ جریر نے ایک دوسری روایت بیان کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ زید بن ارقم نے رسول اللہ کو اطلاع دی کہ چند لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں، اور اُنہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا ہے: انطلقوا بنا الی ھذا الرجل فان یک نبیا فنحن اسعد الناس بہ وان یک ملکا نعش بجناحہ "چلو اُس شخص کے پاس چلیں، اگر وہ نبی ہوئے تو ہم سے بڑھ کر خوش بخت اور کون ہوگا، اور اگر وہ بادشاہ ہوئے تو اُس کے سایۂ عاطفت

میں آرام سے زندگی بسر کریں گے"، مگر جس وقت یہ لوگ آپ سے ملنے کے لئے آئے، تو آپ مسجد میں نہ تھے، اور انتظار کئے بغیر آپ کو آواز دینا شروع کر دی۔

یہ بات ادب اور تہذیب کے خلاف تھی، اور حضرت رسالتؐ کا رُعب و اقتدار لوگوں کے دلوں سے اُٹھ سکتا تھا، اِس لئے اِس طرزِ عمل کی ممانعت کی گئی، اور ایک مستقل قانون نوازش کیا گیا جو تمام اُصول و کلیات پر حاوی تھا، اور چوں کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان کے باہر سے آواز دی تھی، اِس لئے اس کا نام الحجرات تجویز ہوا۔

ترتیب نزول

اس میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ یہ تمام سورۃ مدینہ مبارکہ میں نازل ہوئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اِس میں وفد بنوتمیم کا تذکرہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان سے باہر پکارنا شروع کر دیا تھا، وفود کی آمد ۹ھ میں شروع ہوئی ہے، اور اِسی سال آپ نے ولید کو بنو مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تھا لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ اِس سورت کا نزول بھی ۹ سنہ ہجری میں ہوا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ فتح میں مسلمانوں کو ایک عظیم الشان فتح و کامرانی کی خوش خبری دی گئی تھی، انہیں یقین تھا کہ ہم اسی سال مکّہ معظمہ میں فاتحانہ داخل ہوں گے، مگر جب رسول اللہ اپنے اعوان و انصار کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے میدان میں آپ کو کفار نے روک لیا، اور انجام کار وہ مشہور عہدنامہ مرتب ہوا جس پر بعض پرجوش صحابہ نے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا، مگر انجام کار تبلیغ اسلام کے لئے یہی مہلت حقیقتاً فتح مبین ثابت ہوئی، اس لئے سورۂ حجرات کے ابتدا ہی میں یہ فرمادیا لاتقدموا بین یدی اللہ و رسولہ گزشتہ سورت میں فرزندان اسلام کو نصرت و کامگاری کی مسرت اندوز خبر دی گئی تھی، ضروری تھا کہ اُس کے لئے مسلمانوں کو تیار کیا جاتا، اور انہیں حکومت کے نظم و نسق انتخاب خلیفہ مجلس شوریٰ کے قیام، مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی تشکیل و ترتیب کی تعلیم دی جاتی، اس غرض کو منجملہ دیگر سورۂ کے سورۂ حجرات نے پورا کیا۔

اگر ہم قوموں کے عروج و زوال کے مسئلہ پر غور کریں، اور ان کے علو و تسفل، اور صعود و ہبوط کے اُصول و کلیات مرتب کرنا چاہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک قوم مراتب ارتقاطے کرتی ہے تو عموماً اس میں

اکثر اخلاق فاضلہ اور شریفانہ جذبات ہوتے ہیں، جو فضیلت و برتری کے لئے ضروری اور لازمی ہیں، مگر یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب اُن کی مملکت وسیع ہوتی ہے، اور زمین اپنے مدفون خزائن کے دروازے اُن کے لئے کھول دیتی ہے تو اُن میں آرام طلبی، عیش پرستی، فنونِ لطیفہ کا شوق، غیبت و نمامی بغی و عدوان اور اسی قسم کے فاسقانہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، ان بداخلاقیوں کے رونما ہوتے ہی اُن کا رُخ تنزل و انحطاط کی طرف ہو جاتا ہے، اس لئے سورۂ فتح کے بعد ضروری تھا کہ مسلمانوں کو ان اُمور پر متنبہ کر دیا جاتا کہ اُن میں یہ امراض خبیثہ نہ پیدا ہوں، چنانچہ اس سورت میں انہیں اُمور کی تعلیم دی گئی۔

سورۂ فتح میں مسلمانوں کے مراتب عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

محمد رسول اللّٰہ ط والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ترٰھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰہ و رضوانا ز سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ط ذٰلک مثلھم فی التوراۃ صلے ج ومثلھم فی الانجیل ج کزرع اخرج شطاہٗ فاٰزرہ فاستغلظ فاستوٰی علیٰ سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار ط وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت منھم مغفرۃ واجرا عظیما ہ

(۴۸: ۲۹) "محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں، اور آپس میں رحم دِل، اے دیکھنے والے تو اُن کو دیکھتا ہے کہ خدا کے آگے جھکے ہوئے سربسجود ہیں، اور خدا کا فضل اور اُس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں، کثرتِ سجود کے اثر سے اُن کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، اُن کے یہی اوصاف تورات میں مرقوم ہیں، اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں، وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے پہلے زمین سے سوئی نکالی، پھر اُس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی، اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی، اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے، جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اُن سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے"۔ اِس لئے سورۂ حجرات میں نہیں تنبیہ کر دی گئی کہ وہ ان تمام حرکات سے پرہیز کریں جو انھیں اِن درجات سے گرا دیں گی" ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون (۴۹: ۲) اور پھر اپنے شرف و مزیت کو کھو کر شرالبریہ بن جائیں۔

تلخیص مضامین

یہ سورۂ مبارکہ اگرچہ کچھ زیادہ لمبی نہیں، اور اس کی کل اٹھارہ

آیات ہیں، مگر دراصل اسی مختصر سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نظامِ حکومت پر بہترین درس دیا ہے، یہ سورۃ ایک مکمل ضابطہ اور دستورالعمل ہے جس کی اساس و بنیاد پر ہم قوانین و ضوابط کی ایک عظیم و جلیل عمارت قائم کر سکتے ہیں۔

ابتدائی آیات کی نسبت تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وفد بنو تمیم کے متعلق نازل ہوئی ہیں، شروع کی پانچ آیتوں میں ان آداب و مراسم کو بیان کیا گیا جن کی حفظ و نگہداشت ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، جب وہ دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہو، رسولؐ سے قبل کسی کام کا کر لینا، اُن کے حضور میں زور زور سے بولنا، عام لوگوں کی طرح اُن سے بات چیت کرنا، اور کاشانۂ نبوت کے باہر کھڑے ہو کر اُن کو پکارنا تہذیب و شائستگی اور شانِ نبوت کے خلاف ہے، اِن باتوں سے پرہیز کرنا مسلمان کا اوّلین فرض ہے۔

آیت نمبر ۶ سے نمبر ۸ تک یہ بتایا گیا ہے کہ جب کبھی دنیائے اسلام یا بلادِ خارجہ میں کوئی حادثہ پیش آئے تو کسی مسلمان کو اس پر رائے قائم کرنے اور اپنے لئے راہِ عمل معین کرنے کا حق نہیں ہے، جب تک اس کی اطلاع دربارِ رسالت میں نہ کر دی جائے، انہیں موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ تمام حالات و واقعات کا درس و مطالعہ کر کے کوئی

صحیح رائے قائم کرسکیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ تمام لوگ سوچے سمجھے بغیر غلط نتائج اخذ کرکے ان پر عمل کرنا شروع کر دیں، اور اس طرح تمام قوم کو مصیبت میں ڈال دیں، اس طریق کار سے مُلک کا نظم و نسق بھی خراب ہو جائے گا، اور خارجی تعلقات پر بھی اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں ایک ایسی برادری کی بنیاد ڈال دی ہے جس میں کسی قسم کا فرق و امتیاز نہیں جس میں ابیض و اسود، زنگی و رومی، اور ہندی و چینی برابر ہیں جس میں رنگت و نسل، اور آب و ہوا کو کوئی دخل نہیں، جو ان تمام اُمور سے بالاتر صرف رشتہ اسلام پر نظر رکھتی ہے، جس میں پادشاہ اور گدا ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑے نظر آتے ہیں، اور رسول اللہ ان سب کے والد ہیں: النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھٰتھم (۳۳ : ۶) پس جب تمام دُنیا کے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی آپس میں جنگ رسول اللہ کے لیے کس قدر رنج اور تکلیف کا باعث ہوگی، اس لئے یہ فرض قرار دیا گیا کہ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں آپس میں لڑنے لگیں، تو باقی سب لوگوں کا فرض ہے کہ ان میں صلح کرا دیں، گویا اس طرح ہم اس ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں گے جو ہر مسلمان کو رسول اللہ کا بحیثیت والد ہونے کے کرنا چاہیئے، آیت

نمبر ۹ و ۱۰ میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۱۱ سے اِن اُمور کو بیان کیا جاتا ہے جو بہت سے فسادات کا باعث ہوتے ہیں جو جدید تمدّن کے لازمی نتائج ہیں، اور جن کا نتیجہ قتل و خونریزی ہے، اگر ان امراض سے مسلمان اپنے آپ کو بچائیں گے، اور ان مفاسد سے اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے محفوظ رکھیں گے، تو مسلمانوں میں جنگ ہی نہ ہوگی، بلکہ سب کے سب بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے، اور اِس قسم کی اخلاقی خرابیاں ان لوگوں میں پیدا ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو معزز و محترم اور دوسروں کو حقیر و ذلیل خیال کرتے ہیں، اِس لئے آیت نمبر ۱۳ سے یہ حقیقت واضح کر دی کہ شعوب قبائل، اور انساب و ارحام قابلِ فخر و مباحات نہیں ہیں، اصلی چیز بر و تقویٰ، اور خشیتِ الٰہی ہے، اِسی سے اِنسان کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے، اور یہی اللہ کو عزیز و محبوب ہے، لیکن اللہ کے سوا کون یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ فلاں شخص حقیقت میں متقی، اور اللہ کے نزدیک قابلِ عزت ہے، ممکن ہے کہ جس کو تم ادنیٰ خیال کرتے ہو وہی اللہ کی نظر میں اعلیٰ ہو، اِس لئے اِن امراض سے بچو، اور شریفانہ زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔

آخر میں فرمایا کہ اِنسان کی سب سے بڑی سعادت و خوش بختی یہ ہے کہ وہ دائرۂ اِسلام میں داخل ہو گیا، تمام دُنیا کے مسلمان اس کے

بھائی بن گئے، بادشاہ اور فقیر میں کوئی فرق نہ رہا، اور ترقی کی تمام راہیں اُس کے سامنے کھُل گئیں، اَب وہ ادنیٰ ترین زندگی سے نکل کر تقویٰ اور مکارمِ اخلاق کے ذریعہ دُنیا کا سب سے بڑا انسان بھی بن سکتا ہے، یہ مُساوات اور برابری دُنیا کے اور کسی مذہب میں موجود نہیں، کسی مذہب نے تو ادنیٰ اقوام کو مذہبی کتب کے درس و مطالعہ سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا ہے۔ کسی نے اَدنیٰ اور اعلیٰ قسم کے **لوگوں کے لئے** الگ الگ عبادت گاہیں مقرر کر رکھی ہیں، بعض مذاہب ہیں کہ اُن میں کوئی دوسرا آدمی شامل ہی نہیں ہو سکتا، مگر اِسلام اِن سب سے بالاتر، سب کے لئے یکساں، اور سب پر اپنی برکات نازل کرتا ہے، اِس لئے یہ نہ سمجھو کہ تم نے مسلمان ہو کر اسلام و خدائے اسلام پر کوئی احسان کیا ہے، بلکہ یہ اللہ کا فضل مخصوص ہے کہ اُس نے تمہاری راہ نمائی کی، اور تمہیں رَاہِ حق اختیار کرنے کی توفیق بخشی، پس اس خدا کا شکر اَدا کرو جس نے تم کو دائرہ اِسلام میں داخل کیا، اور اسی پر سورۂ حجرات کو ختم کر دیا۔

موضوعِ سُورت

گزشتہ سطریں پڑھ لینے کے بعد ہر ایک شخص بآسانی یہ بات معلوم کر سکتا ہے کہ اِس سُورۂ مبارکہ کا موضوع کیا ہے، اس کو اوّل سے آخر

پرہیزگاری کی باتیں کرنا، یہ بھی ہے: ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانٰت الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل. سورۂ نساء میں ہے: لاخیر فی کثیر من نجوٰھم الامن امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین النّاس (۴: ۱۱۴) ’’ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے‘‘ آج کل یہ عام دستور ہے کہ جو سفید اقوام رنگین قوموں پر حکمران ہیں، وہ رنگین اور سفید آدمی کے درمیان فیصلہ کرتے وقت اپنی قوم کا ساتھ دیتی ہیں، اور عدل و انصاف کی پروا نہیں کرتیں کیوں کہ اگر وہ حق پرستی کا خیال کریں، اور رنگین شخص کو سفید کے مقابلہ میں کامیاب کردیں تو اُن کے رُعب میں فرق آجائے گا، مگر جو قومیں حق پرستی کی مُدّعی ہوں، اور تہذیب و شائستگی کی دعوے دار ہوں اُنہیں اِس سے بلند تر ہونا چاہیے: انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین النّاس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما، (۴: ۱۰۵) ’’اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو، اور دیکھو دغا بازوں کی حمایت میں کبھی بحث و حجت نہ کرنا‘‘۔

قرآنِ حکیم نے مجالسِ شوریٰ کے ارکان کو حسب ذیل حکم دیا ہے

ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا و تتقوا و تصلحوا بین الناس" (۲: ۲۲۴) "اور خدا کے نام کو اِس بات کا حیلہ نہ بنانا کہ اس کی قسمیں کھا کھا کر سلوک کرنے اور پرہیزگاری کرنے والے لوگوں میں صلح و سازگاری کرنے سے رُک جاؤ" ہر سلیم الفطرت اس آیت سے یہ استنباط کر سکتا ہے کہ جو لوگ کسی حکومت کے تنخواہ دار ممبر ہو کر مجالس قانونی میں شریک ہوتے ہیں، ان پر باوجود حلفِ اطاعت اُٹھا لینے کے حق و انصاف کی ذمہ داری باقی رہتی ہے جس کے لئے ان کو احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونا پڑے گا

مسئولیت

اب ہم سب سے آخر میں یہ بتانا چاہتے ہیں، اور اسی پر اپنی تمہید کو ختم کر دیں گے کہ خود ان ارکان کی مسئولیت اور ذمہ داری کس قدر اہم ہے، اِنسان کو ہر قسم کی معصیت سے بچانے والا اگر کوئی خیال ہے تو وہ اپنی ذمہ داری کا احساس اور اللہ کا خوف ہے، اگر یہ چیز نہیں تو اُسے کوئی چیز ارتکاب گناہ سے نہیں روک سکتی یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار قیامت کا تذکرہ کیا ہے۔

اِن ارکان خلافت کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے: للہ ما فی

السمٰوٰت وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ"، جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے، تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کروگے تو، اور چھپاؤ گے تو، خدا تم سے اس کا حساب لے گا" سورۂ نمل میں آتا ہے: وان ربک لیعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون (۲۷ : ۷۴) "اور جو باتیں اُن کے سینوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں، اور جو کام وہ ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار ان سب کو جانتا ہے"۔ سُورۂ مجادلہ میں فرمایا: الم تران اللہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلٰثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذٰلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانوا ج ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیٰمۃ ط ان اللہ بکل شیٔ علیم (۵۸ : ۷) کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، خدا کو سب معلوم ہے کسی جگہ تین شخصوں کا مجمع اور کانوں میں صلاح ومشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے، اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے، اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ کہیں ہوں، پھر جو جو کام یہ کرتے رہے

ہیں، قیامت کے دن وہ ایک ایک ان کو بتائے گا بے شک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔"

یاد رکھو یہ صرف الفاظ ہی نہ تھے۔ جو اوپر بیان کئے گئے ہیں، بلکہ صحابۂ کرام نے ان پر عمل بھی کر کے دکھا دیا، اور یہی ارباب ایمان ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں، حضرت ابوبکرؓ کا اوّلین خطبہ تمہارے سامنے ہے اس کا ایک ایک لفظ احساسِ ذمہ داری و مسئولیت سے بھرا ہوا ہے، وفات کے وقت اُنہوں نے تمام وہ رقوم بیت المال کو واپس کر دیں جو انہوں نے تنخواہ کے طور پر وصول کی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے متعلق صرف ایک واقعہ کا ذکر دینا کافی ہے، ایک مرتبہ اُنہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے دریافت کیا کہ کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ ہم لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا، اللہ کی راہ میں ہجرت کی، اور ہمیشہ رسولؐ کی خدمت میں رہے، قیامت کے روز برابر سرابر چھوٹ جائیں، نہ کوئی ثواب ملے، اور نہ عذاب ہو، ابوموسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں، اور ہمیں ان کے ثواب کی توقع ہے، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر کہا، خدا کی قسم میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ پکڑ نہ ہو، اور چھوٹ جاؤں، وفات کے وقت ان کی زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

ظلومٌ لنفسی غیر انی مسلمٌ

میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں مسلمان ہوں

اصلی الصلوٰۃ کلها واصومُ

اور صوم و صلوٰۃ کا پورا پابند ٭ ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحجرات

(رکوع ۲- آیات ۱۸)

سورۃ کا نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نہ صرف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب ہی میں مصروف تھی، بلکہ تزکیۂ نفوس اور تعلیم حکمت بھی اس کے سپرد تھی، وہ اگر مسجد میں نماز کے واجبات وسُنن بتاتے تھے، تو فصل خصومات کے وقت قاضی بھی تھے ایک طرف وہ اخلاق کی تہذیب و شائستگی کے معلم بنا کر بھیجے گئے تھے، تو دوسری جانب بدر اور اُحد کی لڑائیوں میں لڑنے والوں کے مقامات کی تعیین، طریق جنگ کی تعلیم فوج کا نظم اور ڈسپلن بھی آپ ہی سے متعلق تھا، اگر فتح مکہ کے روز فاتح جرنیل کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوتے تھے، تو اُمت

مسلمہ کی تشکیل و تنظیم، قوانین کی ترتیب و تدوین، خارجی سیاست کے اُصول و ضوابط، اور بین الاقوامی تعلقات و روابط بھی آپ ہی فرماتے تھے۔

پس جس قدسی صفت اِنسان کی یہ شان ہو اُس کا یہ بھی کام تھا کہ وہ مسلمانوں کو ہر قسم کے اخلاق اور اعمال کی تعلیم دے، جو ان کو نہ صرف ایک مفید شہری بنا دے، بلکہ وہ عام نوعِ اِنسانی کے لئے فائدہ بخش اور نافع عضو ثابت ہوں، جن لوگوں نے رسول اللہ کے سوانحِ حیات کو سرسری نظر سے بھی دیکھا ہے، وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ کوئی ایسا شعبۂ حیات نہیں جس کے لئے آپ کی تعلیمات موجود نہ ہوں، اور جہاں آپ کے اُسوۂ حسنہ نے ہماری راہ نمائی نہ کی ہو۔

فتوحات کا زمانہ ہے، تمام عرب میں اِسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے، ہر طرف سے قبائل اِسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینۃ النبی میں حاضر ہو رہے ہیں، دربارِ رسالت میں وفود اپنے اپنے شعوب و قبائل کی طرف سے اِسلام اور وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں، ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اجتماعی اور سیاسی زندگی کے مراتب مختلفہ کے متعلق ایک مرتب و مدون قانون دیا جائے، جو

اُن کے ہر گوشۂ حیات میں مشعل راہ کا کام دے سکے، اور اُنہیں کسی جگہ بھی ٹھوکر نہ لگے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ اقرع بن حابس تمیمی دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اتفاق سے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے تھے، یہ لوگ زیادہ انتظار نہ کرسکے، اور مکان کے باہر ہی سے یا محمدؐ یا محمدؐ کہہ کر پکارنا شروع کیا، جب آپ نے اندر سے کوئی جواب نہ دیا تو اقرع نے زور سے کہا: ان حمدی زین وان ذمی شین "میری زبان سے کسی شخص کی مدح وستائش اس کی زینت کا باعث ہوجاتی ہے، اور میں نے جس کی مذمت کی پھر اُس کی تعریف کرنے والا کوئی نہیں" آپ نے فرمایا کہ یہ بات صرف اللہ کے اختیار میں ہے، ابن جریر نے ایک دوسری روایت بیان کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ زید بن ارقم نے رسول اللہ کو اطلاع دی کہ چند لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں، اور اُنہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا ہے: انطلقوا بنا الی ھذا الرجل فان یک نبیاً فنحن اسعد الناس بہ وان یک ملکا نعش بجناحہ "چلو اُس شخص کے پاس چلیں، اگر وہ نبی ہوئے تو ہم سے بڑھ کر خوش بخت اور کون ہوگا، اور اگر وہ بادشاہ ہوئے تو اُس کے سایۂ عاطفت

میں آرام سے زندگی بسر کریں گے"۔ مگر جس وقت یہ لوگ آپ سے ملنے کے لئے آئے، تو آپ مسجد میں نہ تھے، اور انتظار کئے بغیر آپ کو آواز دینا شروع کر دی۔

یہ بات ادب اور تہذیب کے خلاف تھی، اور حضرت رسالتؐ کا رُعب و اقتدار لوگوں کے دِلوں سے اُٹھ سکتا تھا، اِس لئے اِس طرزِ عمل کی ممانعت کی گئی، اور ایک مستقل قانون نوازش کیا گیا جو تمام اُصول و کلیات پر حاوی تھا، اور چوں کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان کے باہر سے آواز دی تھی، اِس لئے اس کا نام الحجرات تجویز ہوا۔

ترتیب نزول

اس میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ یہ تمام سُورۃ مدینہ مبارکہ میں نازل ہوئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اِس میں وفدِ بنو تمیم کا تذکرہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان سے باہر پُکارنا شروع کر دیا تھا، وفود کی آمد ۹ سنہ میں شروع ہوئی ہے، اور اِسی سال آپ نے ولید کو بنو مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تھا لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ اِس سُورت کا نزول بھی ۹ سنہ ہجری میں ہوا ہے۔

ماقبل سے ربط

سُورۂ فتح میں مُسلمانوں کو ایک عظیمُ الشان فتح و کامرانی کی خوش خبری دی گئی تھی، اُنھیں یقین تھا کہ ہم اِسی سال مکّہ معظمہ میں فاتحانہ داخل ہوں گے، مگر جب رسول اللہ اپنے اعوان و انصار کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے میدان میں آپ کو کفار نے روک لیا اور انجام کار وہ مشہور عہد نامہ مرتب ہوا جس پر بعض پرجوش صحابہ نے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا، مگر انجام کار تبلیغ اِسلام کے لئے یہی مہلت حقیقتاً فتح مبین ثابت ہوئی، اِس لئے سُورۂ حجرات کے ابتدا ہی میں یہ فرما دیا لاتقدموا بین یدی اللّٰہ و رسولہٗ گزشتہ سُورت میں فرزندانِ اِسلام کو نصرت و کامگاری کی مُسرّت اندوز خبر دی گئی تھی، ضروری تھا کہ اُس کے لئے مُسلمانوں کو تیار کیا جاتا، اور اُنہیں حکومت کے نظم و نسق، انتخابِ خلیفہ، مجلس شوریٰ کے قیام، مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی تشکیل و ترتیب کی تعلیم دی جاتی، اس غرض کو منجملہ دیگر سُورۂ کے سورۂ حجرات نے پورا کیا۔

اگر ہم قوموں کے عروج و زوال کے مسئلہ پر غور کریں، اور ان کے علو و تسفل، اور صعود و ہبوط کے اُصول و کلیات مُرتب کرنا چاہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک قوم مراتب ارتقا طے کرتی ہے تو عموماً اس میں

اکثر اخلاق فاضلہ اور شریفانہ جذبات ہوتے ہیں، جو فضیلت و برتری کے لئے ضروری اور لازمی ہیں، مگر یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب اُن کی مملکت وسیع ہوتی ہے، اور زمین اپنے مدفون خزائن کے دروازے اُن کے لئے کھول دیتی ہے تو اُن میں آرام طلبی، عیش پرستی، فنونِ لطیفہ کا شوق، غیبت و نمامی بغی و عدوان اور اسی قسم کے فاسقانہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، ان بداخلاقیوں کے رونما ہوتے ہی اُن کا رُخ تنزل و انحطاط کی طرف ہو جاتا ہے، اس لئے سُورۂ فتح کے بعد ضروری تھا کہ مسلمانوں کو ان اُمور پر متنبہ کر دیا جاتا کہ اُن میں یہ امراض خبیثہ نہ پیدا ہوں، چنانچہ اِس سُورت میں انہیں اُمور کی تعلیم دی گئی۔

سُورۂ فتح میں مسلمانوں کے مراتب عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

محمد رسول اللہ ط والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا ز سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ط ذالك مثلهم فی التوراة صلے ومثلهم فی الانجیل ج کزرع اخرج شطأه فازره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار ط وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت منهم مغفرة واجرا عظیما ٥

(۴۸ : ۲۹) "محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں، اور آپس میں رحم دِل، اے دیکھنے والے تو اُن کو دیکھتا ہے کہ خدا کے آگے جھکے ہوئے سربسجود ہیں، اور خدا کا فضل اور اُس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں، کثرت سجود کے اثر سے اُن کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، اُن کے یہی اوصاف تورات میں مرقوم ہیں، اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں، وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے پہلے زمین سے سوئی نکالی، پھر اُس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی، اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی، اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے، جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اُن سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے"۔ اِس لئے سورۂ حجرات میں انہیں تنبیہ کردی گئی کہ وہ ان تمام حرکات سے پرہیز کریں جو اُنہیں اِن درجات سے گرا دیں گی" ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون" (۴۹ : ۲) اور پھر اپنے شرف و مزیت کو کھو کر شر البریہ بن جائیں۔

تلخیص مضامین

یہ سورۂ میارکہ اگرچہ کچھ زیادہ لمبی نہیں، اور اس کی کل اٹھارہ

آیات ہیں، مگر دراصل اسی مختصر سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نظامِ حکومت پر بہترین درس دیا ہے، یہ سورۃ ایک مکمل ضابطہ اور دستورالعمل ہے جس کی اساس و بنیاد پر ہم قوانین و ضوابط کی ایک عظیم و جلیل عمارت قائم کر سکتے ہیں۔

ابتدائی آیات کی نسبت تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وفد بنو تمیم کے متعلق نازل ہوئی ہیں، شروع کی پانچ آیتوں میں ان آداب و مراسم کو بیان کیا گیا جن کی حفظ و نگہداشت ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، جب وہ دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہو، رسولؐ سے قبل کسی کام کا کر لینا، اُن کے حضور میں زور زور سے بولنا، عام لوگوں کی طرح اُن سے بات چیت کرنا، اور کاشانۂ نبوت کے باہر کھڑے ہو کر اُن کو پکارنا تہذیب و شائستگی اور شانِ نبوت کے خلاف ہے، اِن باتوں سے پرہیز کرنا مسلمان کا اولین فرض ہے۔

آیت نمبر ۶ سے نمبر ۸ تک یہ بتایا گیا ہے کہ جب کبھی دنیائے اسلام یا بلادِ خارجہ میں کوئی حادثہ پیش آئے تو کسی مسلمان کو اس پر رائے قائم کرنے اور اپنے لئے راہِ عمل معین کرنے کا حق نہیں ہے جب تک اس کی اطلاع دربارِ رسالت میں نہ کر دی جائے، انہیں موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ تمام حالات و واقعات کا درس و مطالعہ کر کے کوئی

صحیح رائے قائم کرسکیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ تمام لوگ سوچے سمجھے بغیر غلط نتائج اخذ کرکے ان پر عمل کرنا شروع کردیں، اور اس طرح تمام قوم کو مصیبت میں ڈال دیں، اس طریق کار سے مُلک کا نظم ونسق بھی خراب ہو جائے گا، اور خارجی تعلقات پر بھی اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں ایک ایسی برادری کی بنیاد ڈال دی ہے جس میں کسی قسم کا فرق و امتیاز نہیں جس میں ابیض و اسود، زنگی و رومی، اور ہندی و چینی برابر ہیں جس میں رنگت ونسل، اور آب و ہوا کو کوئی دخل نہیں، جو ان تمام اُمور سے بالاتر صرف رشتہ اسلام پر نظر رکھتی ہے، جس میں بادشاہ اور گدا ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑے نظر آتے ہیں، اور رسول اللہ ان سب کے والد ہیں: النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھٰتھم (۳۳ : ۶) پس جب تمام دُنیا کے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو ظاہر ہے، کہ ان کی آپس میں جنگ رسول اللہ کے لیے کس قدر رنج اور تکلیف کا باعث ہوگی، اس لئے یہ فرض قرار دیا گیا کہ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں آپس میں لڑنے لگیں، تو باقی سب لوگوں کا فرض ہے کہ ان میں صلح کرادیں، گویا اس طرح ہم اس ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں گے جو ہر مسلمان کو رسول اللہ کا بحیثیت والد ہونے کے کرنا چاہیے، آیت

نمبر ۹ و ۱۰ میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۱۱ سے اِن اُمور کو بیان کیا جاتا ہے جو بہت سے فسادات کا باعث ہوتے ہیں جو جدید تمدّن کے لازمی نتائج ہیں، اور جن کا نتیجہ قتل و خونریزی ہے، اگر ان امراض سے مُسلمانِ اپنے آپ کو بچائیں گے، اور ان مفاسد سے اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے محفوظ رکھیں گے، تو مسلمانوں میں جنگ ہی نہ ہوگی، بلکہ سب کے سب بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے، اور اِس قسم کی اخلاقی خرابیاں ان لوگوں میں پیدا ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو معزز و محترم اور دوسروں کو حقیر و ذلیل خیال کرتے ہیں، اِس لئے آیت نمبر ۱۳ سے یہ حقیقت واضح کردی کہ شعوب قبائل، اور انساب و ارحام قابل فخر و مباحات نہیں ہیں، اصلی چیز بر و تقویٰ، اور خشیتِ الہٰی ہے، اِسی سے اِنسان کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور یہی اللہ کو عزیز و محبوب ہے، لیکن اللہ کے سوا کون یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ فلاں شخص حقیقت میں متقی، اور اللہ کے نزدیک قابل عزت ہے، ممکن ہے کہ جس کو تم ادنیٰ خیال کرتے ہو وہی اللہ کی نظر میں اعلیٰ ہو، اِس لئے اِن امراض سے بچو، اور شریفانہ زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔

آخر میں فرمایا کہ اِنسان کی سب سے بڑی سعادت و خوش بختی یہ ہے کہ وہ دائرۂ اِسلام میں داخل ہوگیا، تمام دُنیا کے مسلمان اس کے

بھائی بن گئے، بادشاہ اور فقیر میں کوئی فرق نہ رہا، اور ترقی کی تمام راہیں اُس کے سامنے کھُل گئیں، اب وہ ادنیٰ ترین زندگی سے نکل کر تقویٰ اور مکارم اخلاق کے ذریعہ دُنیا کا سب سے بڑا انسان بھی بن سکتا ہے، یہ مساوات اور برابری دُنیا کے اور کسی مذہب میں موجود نہیں، کسی مذہب نے تو ادنیٰ اقوام کو مذہبی کتب کے درس و مطالعہ سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا ہے۔ کسی نے اُدنیٰ اور اعلیٰ قسم کے **لوگوں کے لئے** الگ الگ عبادت گاہیں مقرر کر رکھی ہیں، بعض مذاہب ہیں کہ اُن میں کوئی دوسرا آدمی شامل ہی نہیں ہو سکتا، مگر اِسلام اِن سب سے بالاتر، سب کے لئے یکساں، اور سب پر اپنی برکات نازل کرتا ہے، اس لئے یہ نہ سمجھو کہ تم نے مسلمان ہو کر اسلام و خدائے اسلام پر کوئی احسان کیا ہے، بلکہ یہ اللہ کا فضل مخصوص ہے کہ اُس نے تمہاری راہ نمائی کی، اور تمہیں رَاہِ حق اختیار کرنے کی توفیق بخشی، پس اس خدا کا شکر اَدا کرو جس نے تم کو دائرہ اِسلام میں داخل کیا، اور اسی پر سورۂ حجرات کو ختم کر دیا۔

موضوع سُورت

گزشتہ سطریں پڑھ لینے کے بعد ہر ایک شخص بآسانی یہ بات معلوم کر سکتا ہے کہ اِس سُورۂ مبارکہ کا موضوع کیا ہے، اس کو اوّل سے آخر

تک دیکھنے کے بعد پتہ لگ جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت، اور صحبت و ہم نشینی کا یہ اثر تھا کہ آپ نے شتربانوں کو جہاں بان بنا دیا، ان لوگوں نے قلیل ترین زمانہ میں اتنی ترقی کرلی جو رومن امپائر کو تین سو سال میں بھی نصیب نہ ہوئی تھی، آپ کی پاک زندگی ہی میں عرب پر اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرانے لگا، رومیوں نے آپ سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، اور خود آپ نے بھی بارہا فرزندانِ اسلام کو یہ خوش خبری دی کہ وہ بہت جلد قیصر وکسریٰ کے شہروں پر قابض ہو جائیں گے وکان امراللہ مفعولا۔

وہ قوم جو خیرامت اخرجت للناس کے لقب سے سرفراز تھی، جو شہداء علی الناس کے درجہ پر فائز تھی، جو امۃ وسطا کے نام سے موسوم تھی، جس کا طغرائے امتیاز ہی لیظہرہ علی الدین کلہ تھا، اور جس کی تخلیق ہی صرف اس لئے عمل میں آئی تھی کہ وہ تمام اقوام عالم کی نگراں ہو، سب پر حاکم ہو کر رہے، اور سب کو عدل مساوات اور جمہوریت کا سبق دے، جو حق وصدق کی علم بردار، قوموں کی حریت و آزادی کی ذمہ دار، ضعیفوں اور کمزوروں کی معاون و مددگار، اور مظلوموں اور بیکسوں کی غم خوار وغم گسار ہو، ضرور تھا کہ اُسے وہ ضابطہ اور قانون نوازش کیا جاتا جو نہ صرف اس کی

داخلی و خارجی زندگی کے لئے بہترین دستور العمل ہوتا، بلکہ دوسروں کے لئے بھی مشعل راہ ہدایت ثابت ہوتا۔

قرآن نہ صرف ایک مذہبی کتاب ہے جس میں نماز اور روزہ کی تعلیم دی گئی ہے، بلکہ وہ بہترین فلسفہ، قوتِ نظریہ کا تربیت کرنے والا قوت عملیہ کے لئے اعلیٰ ترین دستور العمل، عملی زندگی کے لئے بہترین قانون، مذہب وادبیات کا معلم، سیاسیات واجتماعیات کا موس، عمران واقتصادیات کا مقنن، اور روزمرہ زندگی کے لئے ایک ضابطہ ہے، جس وقت تمام دُنیا جہالت اور تاریکی میں مبتلا تھی، ہر طرف جابرانہ شخصی حکومتیں قائم تھیں، قرآن حکیم نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی، جو سب سے جُدا، اور سب سے اعلیٰ تھی، جس میں قوم کے لوگ، قانونِ الٰہی کے مطابق اس پر حکمرانی کرتے تھے، اور نہ صرف قوم کی فلاح وبہبود اُن کے پیش نظر ہوتی تھی، بلکہ نوع انسانی کی خیر خواہی، حق وصداقت کی نشر واشاعت، اور تمرد وسرکشی کو جڑ سے اُکھاڑنا اُن کا مقصد تھا۔

اگرچہ آج کل کی سیاسی لُغت میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو اس اندازِ حکومت کا صحیح مفہوم اَدا کرسکے جس کو کتاب وسنت کی روشنی میں خلفائے راشدین نے قائم کیا تھا، مگر ہم بدرجۂ مجبوری

لوگوں کو سمجھانے کی خاطر، اور اپنا مطلب واضح کرنے کے لئے اس ناقص ترین اصطلاح کو اختیار کرتے ہیں جس کو جمہوریت کہا جاتا ہے، قرآن نے اس کی تعلیم دی، اس کے اُصول و کلیات بیان گئے اور اس کی تشکیل و تنظیم کے تمام اسباب و مراتب بیان کئے کہ بحث و نظر کا کوئی گوشہ باقی نہ رہے۔

سُورۂ حجرات اسی جمہوریۂ اسلام پر بحث کرتی ہے، خلیفۂ اُمت کے لئے جن آداب و مراسم کا بجا لانا ضروری ہے ان کو واضح کرتی ہے مجلس شوریٰ کے حدود و اختیارات پر روشنی ڈالتی ہے، ان امراض و مفاسد کو بیان کرتی ہے جو اِس نظام کے لئے تباہ کُن اور ہلاکت انگیز ہیں اور اس خرابی اور اختلال کا عِلاج کیا ہے یہی اِس سُورۂ مبارکہ کا موضوع حقیقی ہے۔

انتباہ

سورۂ حجرات کی تفسیر آگے آتی ہے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ تفسیر لکھنے سے قبل قارئین کرام پر یہ واضح کر دیں کہ قرآن کی آیات میں جس قدر آداب و مراسم کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ قرآن کے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں، مگر یہ ظاہر ہے کہ آپ اِس وقت ہم میں موجود نہیں، کہ ہمیں ان امور کا خیال رکھنا پڑے، لیکن قرآن بدستور
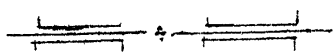
۵۴

فصل اوّل

خلیفۂ اُمّت کے آداب

شانِ نزول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (۱) یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ہ	مومنو! کسی بات کے جواب میں خدا اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا سنتا جانتا ہے۔

بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ بنو تمیم کا وفد دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ قعقاع (ا)ن کا سردار بنا دیجئے، مگر حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ اقرع بن حابس کا نام پیش کیا، ابوبکرؓ نے ناراض ہو کر ان سے کہا: ما اردت الا خلا[فی] میری مخالفت کی خاطر آپ نے یہ دوسرا نام پیش کیا ہے

انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ بات مخالفت کے طور پر نہیں کہتا: فتماد
یاحتیٰ ارتفعت اصواتھما" وہ جھگڑتے رہے یہاں تک کہ ان کی
آواز بہت بلند ہوگئی" اس پر یہ آیت نازل ہوئی، قتادہ کہتے ہیں: ذکرلنا
ان ناسا کانوا یقولون لوانزل فی کذا وکذا موضع کذا وکذا ثم
سے کہا گیا کہ بعض لوگ یوں کہا کرتے تھے کہ اگر فلاں حکم کی جگہ دوسرا
حکم نازل ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا" اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ باتیں ناپسند
آئیں اور ممانعت میں یہ آیت نازل کی حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ایک
مرتبہ قربانی کے روز لوگوں نے رسول اللہؐ سے قبل اپنے جانور ذبح کرنے
شروع کر دیئے، تو یہ آیت نازل ہوئی، اور آپ نے ان لوگوں کو دوبارہ
جانور ذبح کرنے کا حکم دیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کان الناس
یتقدمون بین یدی رمضان بصیام یعنی یوما اویومین
رمضان شروع ہونے سے "ایک روز قبل لوگ روزے رکھنے شروع
کر دیتے تھے" تو اس کی ممانعت میں یہ آیت اتری۔

حضرت عبداللہ بن عباس اس کا یہ مطلب قرار دیتے ہیں: لا
تقولوا خلاف الکتاب والسنۃ "کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات
نہ کہو" ابن جریر نے آپ کی طرف یہ معنی بھی منسوب کئے ہیں: نھوا ان یتکلموا
بین یدی کلامہ "رسول اللہؐ سے قبل بات کرنے کی ممانعت کی گئی"

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں : "لاتصوموا قبل ان یصوم نبیکم "اپنے نبی سے قبل روزہ نہ رکھو" مجاہد کی رائے ہے : لا تفتا نوا علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشی حتیٰ یقضی اللہ تعالیٰ علیٰ لسانہ ، ضحاک کا قول ہے : لا تقضوا امر دون اللہ ورسولہ من شرائع دینکم ، اللہ اور رسول کے بغیر شریعت کی کسی بات کا خود فیصلہ نہ کرلو" اسی ذیل میں یہ روایت بھی سامنے رکھیے جو ترمذی نسائی اور مسند امام احمد میں موجود ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان سے پوچھا کہ تم کس طریق پر فصل خصومات کروگے ، انھوں نے جواب دیا : بکتاب اللہ " خدا کی کتاب کے مطابق " اور اگر کتاب الٰہی میں تمہارے سوال کا جواب نہ ہو تو انھوں نے کہا : بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُنّت رسول کے موافق " اور اگر وہ بھی خالی ہو تو پھر کیا کروگے ، تو معاذ نے عرض کیا : اجتہد برائی ، " اپنی رائے سے حق تلاش کرکے فیصلہ دوں گا " اس پر رسول اللہ نے ان کی چھاتی پر ہاتھ مار کر فرمایا : الحمد للہ الذی وفق رسولَ رسول اللہ لما یرضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، خدا کا شکر ہے جس نے میرے فرستادہ کو اس امر کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول خوش ہوتا ہے "

تقدیم کی ممانعت

یہ تمام روایات اور صحابہ کرام کے اقوال تمہارے سامنے ہیں، وہ گو بظاہر مختلف معلوم ہوتے ہوں مگر دراصل ان میں کوئی اختلاف نہیں، ایک ہی آیت ہے جس سے مختلف مسائل کا استنباط کیا جا رہا ہے، اور اس کے جس قدر متبادر مطالب اور معانی ہوسکتے ہیں اُن کو پیش کیا جارہا ہے، اُن سب کی غرض یہ ہے کہ اگرچہ یہ آیت وفد بنو تمیم کے حق میں نازل ہوئی ہے، اور وہ ایک جزئی واقعہ ہے، مگر اسی آیت سے ایک قاعدہ کلیہ مستنبط ہوتا ہے، جو ہمیشہ کے لئے تمام مس[illegible]ن کے واسطے مشعل راہ اور دلیل ہدایت ثابت ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناموس الٰہی کی معرفت ہر ضروری بات کا الہام کردیا جاتا ہے جس کو دوسرے لوگ باوجود سخت ترین مجاہدات و ریاضات کے بھی معلوم نہیں کرسکتے، وہ جو کچھ کہتا ہے، وحی کی بنا پر کہتا ہے: وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ان هو الا وحی یوحیٰ اس لئے تم سب کا اولین فرض یہ ہے کہ ہر بات میں تم اس کی اتباع کرو لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ "تمہارے لئے اللہ کے رسول [illegible] پیروی [illegible] ترین نمونہ ہے" جب کبھی کوئی جھگڑا ہو تو اسی کے فیصلہ کی [illegible] رجوع کرو [illegible] تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول [illegible] فیصلہ کو [illegible]

قطعی تسلیم کرو: اذا قضی اللہ ورسولہ امراان یکون لہم الخیرۃ "جب اللہ اور اُس کا رسول کسی اَمر کا فیصلہ کرلیں تو پھر ان کو کسی قسم کا اختیار باقی نہیں رہتا" اسی کے اِتباع سے تم محبت الٰہی کو بھی حاصل کرسکتے ہو: ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ "وہ رحمۃ اللعالمین ہیں، وہی سراج مُنیر ہیں، اور اُنہیں کے تمام اعمال حیات قرآن کی عملی تفسیر ہیں: کان خلقہ القرآن. اس لئے ایک مسلمان کو ایک لمحہ کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ سے مشورہ کئے بغیر، اور اُن کے نمونہ کو ترک کرکے خود اپنی طرف سے اپنے لئے کوئی راہِ عمل معین کرلے، کسی بات میں اسے فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں، جب تک وہ رسول اللہ کی طرف مراجعت کرکے اُن کی رائے معلوم نہ کرلے۔

قاعدہ کلّیہ

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ قرآن حکیم کا رُوئے سخن عالم گیر ہے: تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرا اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس دار فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، اِس میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں کہ دُنیا میں ہر آن و ہر لمحہ تغیر و تبدل ہوتا ہے، جدید واقعات وحوادث

رونما ہوتے ہیں، نئی احتیاجات و ضروریات سامنے آتی ہیں، اور ہر مرتبہ نامعلوم حقائق مستورہ بے حجاب ہوتے ہیں، اُن سب کے لئے جب کبھی راہِ عمل کی تلاش ہوگی تو ہم کتاب و سنت ہی کی طرف رجوع کریں گے کہ اسی سے صحیح روشنی مل سکتی ہے: وانزلنا الیکم نورا مبینا، (۴: ۱۷۵) "اور ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین نازل کیا ہے" لیکن یہی قرآن حکیم کہتا ہے: یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم رسول اللہ فرماتے ہیں: اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر، "میرے بعد ابوبکر و عمر کا اتباع کرنا" یہ بھی آتا ہے علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین والمھدیین، "میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو" ایک اور حدیث میں ہے: اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم "میرے تمام دوست نجوم کی مانند ہیں، ان میں سے جس کا اتباع کروگے ہدایت پاؤگے"، ساتھ ہی حضرت معاذ کی روایت بھی فراموش نہ کیجئے جو ابھی ابھی اوپر گزر چکی ہے، ایک مرتبہ آپ نے نجات پانے والی جماعت کے متعلق فرمایا: ما انا علیہ واصحابی، "جو لوگ میرا اور میرے صحابہ کا طریق عمل اختیار کرتے ہیں"۔

ان تمام روایات سے یہی قاعدہ کلیہ نکلتا ہے کہ جب اِس قسم

کے حوادث پیش آئیں جو زمانۂ رسالت میں ظہور پذیر نہ ہوئے تھے تو اس وقت مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے حکام اور امرا کی پیروی کریں جن کو اُنہوں نے خود مُسلمانوں ہی میں سے اپنا خلیفہ یا والی مقرر کیا ہے۔

اِس قدر تمہید کے بعد اب آپ اصل آیت پر غور کریں، جس کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ مُسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر ضروری معاملہ میں اپنے اُولی الامر کی طرف رجوع کریں، نزول قرآن کے وقت یہ درجہ بلاشبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں منحصر تھا، مگر آپ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کو یہ عزّت ملی، اور وہی مرتبہ اب خلیفۂ اِسلام کو حاصل ہے، جس کو مُسلمانوں نے اپنی رائے اور مشورہ سے انتخاب کیا ہو۔

رفع صوت

(۲) یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے

(۳) إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ○

اعمال ضائع ہو جائیں، اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ پیغمبر خدا کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں خدا نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزمائے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

ان آیات کا شان نزول بھی وفد بنو تمیم کا واقعہ ہے، ابن الزبیر کہتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر کی یہ کیفیت تھی کہ جب وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوتے تو ادب و احترام کی وجہ سے نہایت ہی آہستہ گفتگو کرتے یہاں تک کہ بعض اوقات رسول اللہ کو اُن سے دریافت کرنا پڑتا: فما کان عمر رضی اللہ عنہ یسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ یستفہمہ حضرت ابوبکر پر اس وحی الٰہی کا یہ اثر پڑا کہ اُنھوں نے ہمیشہ کے لئے اپنا یہ دستور بنا لیا: یا رسول اللہ! واللہ لا اکلمک الا کاخی السرار حتی القی اللہ "یا رسول اللہ! میں مرتے دم تک آپ سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی شخص کسی سے رازدارانہ گفتگو کرتا ہے"۔

اسی آیت کے متعلق بخاری نے ایک دوسری روایت بھی

نقل کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ نے دیکھا کہ ثابت بن قیس کئی روز سے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے، ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس کا پتہ لگاتا ہوں، چنانچہ وہ اُن کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ثابت سر جھکائے ہوئے غمگین بیٹھے ہیں، انہوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے: شر، کان یرفع صوته فوق صوت النبی صلی الله علیه وسلم، فقد حبط عمله فهو من اهل النار "میں نے اپنی آواز کو رسول سے بلند کر دیا تھا جس کی وجہ سے میرے تمام اعمال ضائع گئے، اور میں دوزخی بن گیا" انہوں نے یہی قصہ آکر رسول اللہ سے بیان کر دیا، آپ نے فرمایا کہ جاؤ اُس سے کہہ دو: انك لست من اهل النار، ولكنك من اهل الجنة "یہ خیال غلط ہے، تم دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہو" مسند امام احمد میں حضرت انس سے اتنا اور بھی مروی ہے: فکنا نراه یمشی بین اظهرنا، ونحن نعلم انه من اهل الجنة، فلما کان یوم الیمامة کان فینا بعض الانکشاف، فجاء ثابت بن قیس بن شماس، وقد تحنط راسه، ولبس کفنه، فقال بئسما تعدون اقرانکم، فقاتلهم حتی قتل رضی الله عنه "پھر وہ ہم میں چلا پھرا کرتے تھے، اور ہمیں اُن کے جنتی ہونے کا یقین تھا، چنانچہ جنگ یمامہ میں

وہ خوشبو لگا کر کفن پہن کر آئے، اور لڑے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔"

حضرت عمر رفع صوت میں بے حد تشدد سے کام لیتے تھے، ایک مرتبہ اُنہوں نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو اُنہیں ڈانٹ کرکے کہا: اتدریان این انتما، "تمہیں خبر بھی ہے تم کس جگہ ہو" پھر اُن سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو، معلوم ہوا کہ طائف کے باشندے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: لو کنتما من اهل المدینة لاوجعتکما ضربا۔ "اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے، تو میں تمہیں سزا دیتا۔"

مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ اگر کسی صحابی کو حضور کے دروازہ پر دستک دینے کی ضرورت پڑتی تو وہ اپنے ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹایا کرتا،

ائمۃ الاعلام رفع صوت کو دوامی حکم قرار دیتے ہیں، حدیث رسول صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، حدیث کی موجودگی میں اپنی قیل و قال کو پیش کرنا، یا اپنی رائے اور سمجھ کو پیش کرنا اسی ممانعت میں داخل ہے۔

رفع صوت کے علاوہ ایک اَور چیز سے بھی اِس آیت میں روکا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم رسول اللہ کو اس طرح مخاطب کرو جیسے تم

آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنایا کرتے ہو، ایک مہذب بیٹا
اپنے باپ سے، لائق شاگرد اُستاد سے مخلص مُرید پیر و مُرشد سے، اور
ایک سپاہی اپنے افسر سے جس طرح بات کرتا ہے، ان سب سے بڑھ کر
کہیں رسول اللہ کا درجہ ہے اس کے بعد کی آیت میں ان دونوں
کے نتائج بھی بتا دیئے کہ اِن جرائم کی پاداش میں تمہارے اعمال حبط
ہو جائیں گے اور فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں
کا دروازہ کھل جائے گا۔

ضیاع اعمال

اصل بات یہ ہے کہ جس شخص کو آپ نے اپنا خلیفہ اور رئیس جمہوریہ
منتخب کیا ہے، ضرورت تھی کہ اُس کے آداب و مراسم اور حقوق و مراعات
کو صاف صاف الفاظ میں بیان کر دیا جاتا، ایک ایسی قوم جو آگے چل کر تمام
دُنیا کی راہ نما بنے گی: وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء
علی الناس، جس کی برادری میں تمام اقوام عالم شریک ہوں گی،
اس کے لئے ایک مرتب و مدون نظام عمل، اور جامع و حاوی دستور
و قانون کی ضرورت ہے، تاکہ وہ ہر قسم کی غلط کاریوں اور بداعمالیوں
سے بچ سکے، اور اس کی حسن معاشرت سب سے خراج تحسین وصول
کر سکے، اِس لئے ان آیات میں ان آداب کو بیان کیا گیا جن کی پابندی

نہ صرف مجلس شوریٰ کے تمام ارکان پر لازم ہو گی، بلکہ وہ لوگ بھی
ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور ہوں گے جو خلیفۂ اسلام کے دربار
میں شرفِ باریابی حاصل کریں گے، ان مراسم کی نگرانی ہر ایک شخص
کا فرض اوّلین ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اعمال کی جزا خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ ان اعمال
کے مناسب ہی مقرر فرمائی ہے، مثلاً قیامت میں متکبرین کو بہت
چھوٹے چھوٹے جسم کیڑے مکوڑوں کی طرح دیئے جائیں گے، اور
ہر سلیم الفطرت سمجھ سکتا ہے کہ متکبرین کے لئے یہ کس قدر مناسب سزا
ہے، قرآن میں آتا ہے کہ منافقین اور مومنین کے درمیان صرف ایک
دروازے کا فرق ہو گا جس کا وہ رُخ تو نہایت ہی خوش گوار ہو گا جو
اربابِ ایمان کی طرف ہے، مگر منافقین کی جانب موجب عذاب:

یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت للذین اٰمنوا انظرونا
نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نورا ط
فضرب بینھم بسور لہ باب ط باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ
من قبلہ العذاب ، (۵۷ : ۱۳) "اس دن منافق
مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گی کہ ہماری طرف نظرِ شفقت
کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں تو اُن سے کہا جائے گا

کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو، پھر اُن کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے، اور جو جانب بیرونی ہے اس طرف عذاب اور اذیت ہے۔" اب غور کرو کہ اہلِ نفاق کے لئے اِس سے زیادہ مناسب اور کیا سزا ہو سکتی تھی +

پھر اعمال پر عمیق نظر ڈالی جائے تو بعض کام ایسے بھی ہوں گے جن میں اِنسان کے قصد اور ارادہ کو بہت ہی کم دخل ہوتا ہے مثلاً تم نے غصہ میں آکر کسی شخص کے ایک تھپڑ مار دیا، اور وہ شخص یا تو بوجہ جسمانی کمزوری کے، یا تھپڑ کے کسی عضوِ ضعیف پر واقع ہو جانے کے مر گیا، تو اگرچہ تمہارا قصد اس کا اہلاک نہ تھا، لیکن اس کی موت واقع ہو جانے سے تمہارا جرم قانون کی نظر میں صرف تھپڑ کا مارنا نہ ہوگا، بلکہ اس سے بہت زیادہ، گو قانونی طور پر تم کو سزائے قتل نہ دی جائے، غرض کہ اعمال کی قدر و قیمت اگرچہ بہت کچھ فاعل کے قصد اور ارادہ پر موقوف ہے، لیکن بعض اوقات جیسا کہ مذکورۂ بالا مثال سے واضح کیا گیا ہے، مفعول کے حالات اور ماحول کے اثرات کو نتیجہ عمل کی تعیین میں بہت کچھ دخل ہو جاتا ہے، اور اس آیت کریمہ میں دراصل اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یعنی اگر کوئی شخص بلا

ارادۂ گستاخی بھی ایسے امر کا مرتکب ہو گا، کہ جس کو قوانین تہذیب نے گستاخی یا بے ادبی کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے، تو وہ گستاخ ہی سمجھا جائے گا، اور اس کو گستاخی کی سزا بھگتنی پڑے گی، اہل قانون کے اصول موضوعہ میں سے ایک کلیّہ بہت مشہور ہے کہ قانون کی جہالت عذر معقول نہیں بن سکتی، جو مذکورہ بالا اصل ہی کی ایک ضروری اور اہم فرع ہے۔

قانون کا مطلب

گزشتہ آیات میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں :-

(۱) رفع صوت، جب مجلس شوریٰ قائم ہو، مختلف مسائل ملکی و قومی پر بحث و مشاورہ ہو رہا ہو، اور اس میں صدر جمہوریہ بھی شریک ہو، تو تمام اعضاء و ارکان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے رئیس کا پورا ادب ملحوظ رکھیں، جب وہ اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہو، تو بالکل سکوت کے ساتھ اس کے بیان کو سنیں، بلند آواز سے اس کو مخاطب نہ کریں کہ یہ سوء ادب، اور نفرت و حقارت کی دلیل ہے، اور اس کے ادب و احترام کو فراموش نہ کریں، یہ قانون عام اور ہر مجلس پر حاوی ہے۔

(۲) آواز دینا، جب تم اپنے امام یا خلیفہ کو مخاطب بنانا چاہو تو اس طریق پر اس سے گفتگو نہ کرو جس طرح عام لوگ ایک دوسرے

سے باتیں کرتے ہیں، بلکہ اُن کا پُورا احترام کیا جائے، اور کوئی بات بے ادبی اور گستاخی کی سرزد نہ ہو۔

اجرِ عظیم

چونکہ ان آداب و مراسم کو نظر انداز کر دینے سے تمام حکومت اسلامیہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اس لئے اگلی آیت میں ان لوگوں کو مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ دیا گیا جو ان قوانین کی پوری پابندی کریں گے، بے ادبی اور گستاخی سے پیش نہ آئیں گے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دِل تقویٰ اللہ سے بھرپور ہیں، اگر اُن سے نادانستہ طور پر کوئی ایسی بات سرزد ہو گئی جو خلاف تہذیب ہو گی تو چوں کہ اُن کی نیّت صالح تھی اس لئے ان سے بازپرس نہیں کی جائے گی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کی نسبت فرمایا کہ باوجود بلند آواز ہونے کے وہ اہلِ جنّت میں سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کے ارشاداتِ عالیہ کی عزت ہمارے دل میں ہو اور جب صحیح طور پر ہمیں آپ کا کوئی حکم مل جائے تو اُسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہمیں ذرا تامل نہ ہو۔

امام احمد نے اپنی کتاب الزہد میں حضرت مجاہد کا وہ خط نقل کیا

ہے جو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، یا امیر المؤمنین! رجل لایشتھی المعصیۃ ولا یعمل بھا افضل ام رجل یشتھی المعصیۃ و لا یعمل بھا

دو آدمی ہیں، ایک تو نہ گناہ کی خواہش کرتا ہے، اور نہ اس کا ارتکاب کرتا ہے، دوسرا وہ شخص ہے جو باوجود خواہش کے اس سے بچتا ہے، ان دونوں میں سے بہترین کون ہے" آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ دوسرا شخص پہلے سے افضل ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دِل خدا کے خوف کے لئے چن لئے گئے ہیں +

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم ترین شعائر اللہ ہیں: قرآن، پیغمبر، کعبہ، اور نماز ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ اللہ سے مالا مال ہو: ومن یعظم شعآئر اللہ فانھا من تقوی القلوب (۲۲: ۳۲) "اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے" اس اخلاص و حق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی"

ایک اور حکم

(۴) اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ

جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں،

لَا يَعْقِلُوْنَ ٥ (٥)، وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

اور اگر وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آتے تو ان کے لئے بہتر تھا، اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے +

یہ تفصیل تو پہلے گزر چکی ہے کہ جب بنو تمیم کا وفد مدینہ میں داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے دولت کدہ میں تشریف رکھتے تھے جب وفد نے آپ کو مسجد میں نہ دیکھا تو اقرع بن حابس نے کاشانۂ نبوت کے بیرون در ہی کھڑے ہو کر یا محمدؐ یا محمدؐ اخرج الینا کہہ کر پکارنا شروع کیا، کسی معمولی ذمہ دار آدمی کا اگر کوئی نظام الاوقات نہ ہو تو اس کے لئے کام کرنا سخت مشکل ہو جائے گا، پیغمبر کا درجہ تو اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ یہ سخت بد تہذیبی تھی، اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ آداب نبوت سے بالکل ناواقف ہیں، اگر ذرا صبر سے کام لیتے تو بہتر تھا، کسی کی زبانی اندر اطلاع کرا دیتے، لیکن خیر یہ پہلی مرتبہ ہے انہیں قوانین کی خبر نہ تھی، اس لئے گستاخی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے +

آئندہ کے لئے اس قانون کی پابندی ہر مسلمان کو کرنی پڑے گی کہ جب وہ اپنے خلیفہ یا رئیس جمہوریہ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو گنواروں کی طرح آواز دے کر نہ بلائے، بلکہ مناسب طریق سے کسی جگہ انتظار

کرے۔ تاآں کہ وہ خود باھر آجائیں، اور اُس کو شرف ملاقات بخشیں عام لوگوں کی طرح اُن کے مکان کے باہر کھڑے ہو کر ان کو آواز دینا ہرگز جائز نہیں۔ داب حکومت کے یہ بات بالکل خلاف ہے۔ اِس لئے کہ اس کی عزت تمام مسلمانوں کی عزت ہے +

فساد انگیز پراپاگنڈا

جنگ کے زمانہ میں دشمنان اسلام بعض اوقات دنیا کو مسلمانوں کی تہذیب سے بدظن کرنے، اور حقیقت میں تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے بے سروپا باتیں اڑائیں گے، اِس لئے ایک قانون کلی سے اس قسم کے فسادات کو روکنے کی تمہید رکھی گئی۔ اسی ذیل میں ہمارے ملک کے ہندو مسلم منازعات ومناقشات بھی ہیں، جو اجنبی ایجنسی کے ہاتھوں اِس لئے عمل میں آتے رہتے ہیں، کہ ان دونوں قوموں میں اتحاد نہ ہونے پائے +

جب شیاطین الانس کفر و باطل پرستی کی نشر و اشاعت کی خاطر ارباب حق و صداقت اور تحریک حریت و استقلال کے خلاف اس قسم کا شر انگیز پراپاگنڈا کریں، تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ اس وقت قرآن حکیم ہماری یوں راہ نمائی کرتا ہے:

(۲) یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ مومنو! اگر کوئی غیر ذمہ دار تمہارے پاس

إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ
فَتَبَيَّنُوْٓا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ
نٰدِمِيْنَ (۷) وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ
فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ط لَوْ يُطِيْعُكُمْ
فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ
لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ
وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ
إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ
الْعِصْيَانَ ط أُولٰٓئِكَ هُمُ
الرّٰشِدُوْنَ (۸) فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ط وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو
مبادا کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان
پہنچا دو، پھر تم کو اپنے کئے پر نادم
ہونا پڑے۔ اور جان رکھو کہ تم میں
خدا کے پیغمبر ہیں، اگر بہت سی باتوں میں
وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں
پڑ جاؤ، لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز
بنا دیا، اور اس کو تمہارے دلوں
میں سجا دیا، اور کفر، اور گناہ اور نافرمانی
سے تم کو بیزار کر دیا، یہی لوگ راہ ہدایت
پر ہیں، یعنی خدا کے فضل اور احسان سے
اور خدا جاننے والا حکمت والا
ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ولید بن عقبہ کو قبیلۂ بنو مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا، زمانۂ جاہلیت میں یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے دشمن تھے، جب لوگوں کو اُن کے آنے کی اطلاع ملی تو مسلح ہو کر گاؤں سے باہر نکل آئے۔ اور غالباً اُن کا

نشا صرف استقبال تھا، مگر ہتھیار بند دیکھ کر ولید کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ آمادۂ جنگ و پیکار ہیں، اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ اُن سے مُلاقات کئے بغیر فوراً لوٹ آیا۔ اور اپنے خیال کے مطابق دربار رسالت میں رپورٹ پیش کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہادت کو معتبر مان کر ایک تادیبی مہم بھیجنے کا حکم فرمایا کہ اتنے میں بنو مصطلق کے ایک وفد نے حاضر ہو کر حضرت رسالت کو حقیقت حال سے آگاہ کیا ÷

راہ عمل

لہٰذا کتاب الٰہی نے اِس قسم کے فسادات اور نزاعات و مناقشات کا سدِّباب کرنے کے لئے مندرجۂ ذیل قانون نوازش فرمایا کہ جب کبھی اس قسم کی کوئی خبر سننے میں آئے تو بلا اچھی طرح چھان بین کئے ہوئے فوری طیش میں آکر ہرگز کوئی راہِ عمل اختیار نہ کی جائے کہ مبادا اپنے کئے پر آخر کار پشیمانی ہو، یہ ایک ایسا مفید ترین قانون ہے کہ اگر اس کو ہندوستان کے تمام لوگ اپنا اُصول عمل بنا لیں تو ہندو مسلم مناقشات آدھے سے زیادہ بالکل معدوم ہو جائیں، اور اگر یہی طرز عمل ہم اپنے تمام اسلامی ممالک سے متعلق اختیار کریں جن میں باہمی منافرت پھیلانے کے لئے یورپ کی خبر رساں ایجنسیاں کیا کیا نہیں کر گزرتیں تو

ہمیں صدہا مصائب سے نجات مل جائے۔

عام لوگوں کو یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ ہر بات میں اپنے لیڈروں کو اِس امر پر مجبور کریں کہ وہ اُن کی رائے پر عمل کریں، کیونکہ ہر شخص علم سے پورا بہرہ نہیں رکھتا، سیاست سے پورا واقف نہیں ہو سکتا، اور بین الاقوامی تعلقات پر پُورا عبور نہیں رکھتا، اور بسا اوقات اُن سے ایسے ناشائستہ اُمور کا اظہار ہو جاتا ہے جو قومی وقار اور عزت کے بالکل مخالف ہوتے ہیں، اب اگر ہر امر میں اُن کی تقلید کی جائے تو کوئی نظام بھی باقی نہ رہ سکے گا، اور لیڈروں کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حق لوگوں کی خواہشوں اور رائوں کے تابع نہیں ہو سکتا ایسا ہو تو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے: ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن فیھن (۲۳: ۷۱)
"اور اگر سچا رب چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن میں ہیں"۔

فریضۂ اصلاح

(۹) وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى	اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی

الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○

کرے، تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع لائیں، پس جب وہ رجوع لائیں تو دونوں فریقوں میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

گزشتہ آیات میں یہ حکم تھا کہ محض افواہ کو ایک حقیقت نفس الامری تسلیم کرکے کوئی فیصلہ نہ کرلو لوگ تو اُسے ایک معمولی بات خیال کرکے شہرت دے دیتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ اُس کا اثر کس قدر دوررس ہوگا: تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم ۰ (۲۴: ۱۵) "تم اُسے ایک ہلکی بات سمجھتے ہو، اور خدا کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات ہے۔" اب یہ بتایا جاتا ہے اگر واقعہ میں یہ اطلاع صحیح ہو کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑے ہیں تو مسلمانوں کے بہترین دل و دماغ فوراً اُس کی روک تھام کی طرف متوجہ ہو جائیں، اور اپنے پورے اثر اور دباؤ سے کام لے کر اس فتنہ کی آگ کو فرو کر دیں، حقیقت یہ ہے کہ دُنیائے اسلام پر جس قدر مصائب نازل ہوئے، ان کی ابتدا بالکل معمولی واقعات سے ہوئی، مگر اس وقت کے ارباب حل و عقد نے ان کو حقیر خیال کرکے نظرانداز کر دیا، اور پھر جو کچھ ہوا وہ دُنیا کے سامنے ہے۔

لیکن اگر باوجود پوری کوشش کے ایک جماعت اصلاح پر راضی نہ ہو، تو حکومت اپنی فوجی طاقت سے دوسرے گروہ کی امداد کرکے اُس کو صلح کے لئے مجبور کردے، البتہ جب دونوں فریق اس پر رضامند ہوجائیں تو ایک کمیشن ہر ایک گروہ کے بیانات و مطالبات کو سُنے اور عدل و انصاف سے فیصلہ صادر کردے۔ مسلم میں ہے: المقسطون عند الله یوم القیٰمة علیٰ منابر من نور علیٰ یمین العرش یعدلون فی حکمھم "جو لوگ تمام منازعات کے طے کرنے میں عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں وہ قیامت کے روز عرش کے دائیں جانب نور کے ممبروں پر ہوں گے"۔

بخاری میں ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلیں شاید وہ راہ راست پر آجائے، آپ جو وہاں گئے تو اس نے ناک بھوں چڑھا کر کہا: الیک عنی فواللہ لقد اذانی ریح حمارک، دُور ہو جائیے مجھے آپ کے گدھے کی بُو نے سخت تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ ایک انصاری نے سنا تو غصہ میں آکر کہنے لگا: واللہ لحمار رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اطیب ریحا منک "خدا کی قسم رسول اللہ کا گدھا تجھ سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اب کیا تھا، دونوں فریقوں میں جنگ شروع ہوگئی مگر آپ نے

صلح کرادی، الصلح خیر۔

آپ نے ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ایک تعریف یہ بھی کی کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کے دو عظیم الشان گروہوں میں صلح ہو جائے گی' بخاری میں آتا ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوما، ومعہ علی المنبر الحسن بن علی، فجعل ینظر الیہ مرۃ، والی الناس اخرٰی ویقول ان ابنی ھذا سید، ولعل اللہ تعالیٰ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین "ایک مرتبہ رسول اللہ خطبہ دے رہے تھے' اور حسنؓ بن علی بھی ممبر پر بیٹھے ہوئے تھے' پس کبھی تو آپ لوگوں کی طرف دیکھتے' اور کبھی حسنؓ کی طرف نظر کرتے' اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سید ہے' اور عجب نہیں کہ اللہ مسلمانوں کے دو عظیم الشان گروہوں میں اس کی وجہ سے صلح کرا دے"۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: انصر اخاک ظالما اومظلوما۔ "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو مظلوم" انس بن مالک نے عرض کیا: ھذا انصرتہ مظلوما فکیف انصرہ ظالما قال صلی اللہ علیہ وسلم تمنعہ من الظلم فذالک نصرلک ایاہ "مظلوم کی مدد تو میں نے کر دی، مگر ظالم کی اعانت کیسے کروں گا' آپ نے فرمایا' اس کو ظلم سے روکنا

یہی اُس کی مدد ہے"۔

اِسلامی برادری

(۱۰) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

مختلف چیزیں باہمی تعلقات کا سبب بن سکتی ہیں، مگر ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں قیام و ثبات نہیں قرآن حکیم نے نہ تو وطنیت کو ذریعہ اتحاد قرار دیا ہے، اور نہ قومیت کو، اس نے ان سب سے بالاتر اور وسیع تر حلقہ اخوت اِسلام کا قائم کیا، مہاجرین و انصار کو بھائی بنا کر اسود و ابیض کی تفریق کو مٹا دیا، اور شاہ و گدا کو، آقا و غلام کو، حاکم و محکوم کو ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑا کر کے بتا دیا کہ عزت صرف تقویٰ اور طہارت کی بنا پر ہے۔

اس عالمگیر برادری کو مضبوط و قوی تر بنانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ "ایک مسلمان نہ تو اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کرتا ہے، اور نہ اُسے دوسروں کے سپرد کر دیتا ہے"۔ یہ بھی فرمایا: واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون

اخیہ، "اللہ بھی اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اپنے بھائی کی طرف دستِ اعانت دراز کرتا ہے"۔ ایک حدیث میں آتا ہے: اذا دعا المسلم لاخیہ بظھر الغیب قال الملک آمین ولک مثلہ، "جب ایک مسلمان اپنے بھائی کی غیبت میں اُس کے لئے دُعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین، اور تجھے بھی نصیب ہو"۔ دوسری حدیث میں ہے: المومنون فی توادھم وتراحمھم وتواصلھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسھر "مسلمانوں کی باہمی اُلفت ومحبت جسم واحد کی سی ہے کہ اگر ایک حصۂ بدن کو تکلیف ہو تو عام جسم بلبلا اُٹھتا ہے اور درد وکرب سے بے تاب ہو جاتا ہے۔ اِس طرح بھی ہے: المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا، مسند امام احمد میں ہے: ان المومن لاھل الایمان بمنزلۃ الراس من الجسد، یألم المومن لاھل الایمان کما یألم الجسد لما فی الراس۔

جب دنیا بھر کے مسلمانوں کے تعلقات وروابط ایسے ہوں جو اوپر کی احادیث میں بیان کئے گئے ہیں تو ان میں کسی طرح بھی جنگ نہیں ہو سکتی، لیکن اگر خدانخواستہ کبھی کوئی ایسی صورت پیش آجائے تو سب کا فرض ہے کہ ان میں صلح کرانے کی کوشش کریں، ایسا نہ ہو کہ ان

کے باہمی جھگڑے دوسروں کو اُن پر حملہ کرنے کا موقع دیں۔

دُنیا کے تمام مُسلمان آپس میں بھائی ہیں، اور اس تعلق کو آب وہوا اور رنگت ونسل کے امتیازات بالکل نہیں توڑ سکتے۔ جب قرآن نے یہ قانون اُصول موضوعہ کے طور پر ہمارے سامنے رکھ دیا تو اُس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ملّی اور ملکی حقوق میں ان سب کو مساوات حاصل ہے، اور نہ ذرّہ برابر تفریق عمل میں نہ لائی جائے گی ÷
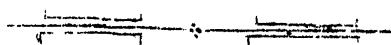
فصل ثانی

انسدادِ شر

قرآن حکیم کی تعلیمات کا اصلی منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ایسی مہذب اور شائستہ قوم بنا دیا جائے جس کی سیرت اور کیرکٹر کو تمام دُنیا قابل تقلید سمجھے، ہر ایک مسلمان میں اس قدر احساس پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو ایک ذمہ دار اور مسئول انسان خیال کرے، اور یہ یقین کر لے کہ میری زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہے، اس لئے مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیے جو شرافت اِسلام کے شایاں نہ ہو۔

گزشتہ آیات کا مفہوم یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کی کسی آبادی میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو اُن لوگوں کا فرض ہے کہ اپنا اثر ڈال کر اس فتنہ کو فرو کر دیں اور لڑنے والوں میں صلح کرا دیں، اب یہ سمجھایا جاتا ہے کہ ان تمام جھگڑوں کا سدِّباب کیوں کر ہو۔

امتناعی احکام

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

جو لوگ مال و دولت جمع کرنا اپنا مقصد حیات بنا لیتے ہیں، اُن کی تمام تر زندگی عیش و آرام میں ضائع ہو جاتی ہے، کوئی مفید کام ان کے عمل میں نہیں آتا۔ بیکاری کے مشاغل میں سے ایک یہ عیب بھی ان میں پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ہر وقت دوسروں کے عیوب کی تلاش و جستجو میں رہتے ہیں، اور ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں، آج کل کی نام نہاد مہذب اور شائستہ قوموں کو اگر تم دیکھو تو اُن میں یہ مرض کثرت سے

ملے گا، لہٰذا قرآن حکیم نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ حسب ذیل خرابیوں سے بچیں +

(الف) تمسخر: یہ مرض اس شخص میں پیدا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو بڑا، اور دوسروں کو حقیر خیال کرتا ہے، وہ اس غرور و تکبر کی بنا پر اپنا یہ حق طبعی سمجھتا ہے کہ اپنے سے کمتر درجہ والے شخص کے ساتھ تمسخر و استہزا کرے، یہ مرض ابتدا میں تو معمولی معلوم ہوتا ہے، مگر اس کا بدترین اثر بہت دُور تک پہنچتا ہے، اس لئے کہ ہر ایک انسان میں عزت نفس کا احساس موجود ہے، ایک مدت تک وہ اس ذلت اور حقارت کو برداشت کر سکتا ہے، آخر اس کا پیمانہ صبر لبریز ہوکر اس میں جذبۂ انتقام کو بھڑکائے گا، اور انجام کار جنگ تک نوبت پہنچے گی یہ بیماری دولت مندوں میں عموماً اور بعض اوقات اہل علم میں بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے سے حقیر خیال کرتے ہیں حدیث میں اس مرض کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے: بطر الحق وغمط النّاس حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر و ذلیل خیال کرنا +

یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی نسبت دعوے کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا، کہ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت اچھا ہے، ممکن ہے کہ جن بندگانِ خدا کو ہم اپنے سے حقیر خیال کرتے ہوں، خدا کی نظر میں وہی

ہم سے بہتر، اور لو اقسم علی اللہ لابرہ میں داخل ہوں اس لئے
ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کمینگی سے پرہیز کرے
یہ مرض نہ صرف مردوں میں ہوتا ہے بلکہ عورتیں اس کا کہیں
زیادہ شکار ہوتی ہیں، اس لئے دونوں کو تنبیہ کی گئی کہ حقیقی اصلاح
گھر کی چار دیواری سے شروع ہوتی ہے۔

(ب) عیب چینی، لمز کہتے ہیں: ذکر ما فی الرجل من العیب فی غیبۃ
"ایک شخص کے عیوب کو اس کی غیبت میں ذکر کرنا"۔ یہ مرض بھی دوسرے
کو حقیر سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے، قرآن حکیم نے کفار کی بری عادتیں ذکر
کرتے ہوئے فرمایا: ھماز مشاء بنمیلۃ سورۃ ہمزہ میں آتا ہے:
ویل لکل ھمزۃ لمزۃ، بخاری نے ابن عباس سے اس کے یہ معنی
بیان کئے ہیں: لا یطعن بعضکم علی بعض "ایک دوسرے پر طعن نہ
کرے"، مجاہد، قتادہ، اور سعید بن جبیر کی بھی یہی رائے ہے، ضحاک کہتے
ہیں: لا یلعن بعضکم بعضا "ایک دوسرے پر لعنت نہ بھیجے"۔

(ج) برا نام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے
وقت مدینہ منورہ میں یہ مرض عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ ایک شخص کے
کئی کئی نام ہوتے تھے، قبیلہ بنو سلمہ کی یہ کیفیت تھی: لیس فینا رجل
[illegible] ثلاثۃ، فکان اذا دعی احد ھم باسم

تلك الاسماء قالوا یا رسول اللہ انہ یکرہ ھذا الاسم
تم میں سے کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کے دو دو تین تین نام نہ رکھے گئے
ہوں، جب ان میں سے کسی نام کے ساتھ وہ پکارا جاتا تو ہم عرض کرتے
کہ اس نام کو وہ برا سمجھتا ہے" اس پر یہ ممانعت نازل ہوئی، ابن عباس
اس آیت کے یہ معنی بیان کرتے ہیں : ان یکون الرجل عمل
السیأت ثم تاب منھا وراجع الحق فنھی اللہ ان یعیر
بما سلف من عملہ، "ایک شخص نے گناہ کیے تھے، بعد کو توبہ
کر لی تھی، اب خدا نے منع کر دیا کہ اس کے گزشتہ گناہ یاد دلا کر اس کو
شرمندہ مت کرو"۔ ابن مسعود کی رائے ہے : ان یقول اذا کان
الرجل یھودیا فاسلم یا یھودی، یا نصرانی، یا مجوسی ویقول
للرجل المسلم یا فاسق عطاء کہتے ہیں : ان یسمیہ بغیر اسم الاسلام
یا خنزیر، یا کلب، "اسلامی نام کے سوا خنزیر یا کتا کہہ کر پکارنا" مجاہد کہتے
ہیں : یدعی الرجل بالکفر وھو مسلم حسن فرماتے ہیں : ان یقول
الرجل لاخیہ یا فاسق "ایک شخص اپنے بھائی کو فاسق کہہ کر پکارے"۔
ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے "کہ جب ایک شخص مسلمان ہو گیا
تو پھر اسے کسی برے نام سے یاد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ افسوس کے ساتھ تسلیم
کرنا پڑتا ہے کہ آج مسلمانوں کی ہر سوسائٹی اس مرض میں مبتلا ہے۔

(۲۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝

اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو، کہ بعض گمان گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو، اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تم ضرور نفرت کروگے، تو غیبت نہ کرو، اور خدا کا ڈر رکھو بیشک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے +

اس آیت میں تین اور بداخلاقیوں سے روکا گیا ہے جن کی وجہ سے تمام قوم کی قوم برباد ہو جاتی ہے +

بدگمانی

بعض اوقات ہم کسی مسلمان کو ایک کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں، یا اس کے متعلق کوئی افواہ سن پاتے ہیں، تو فوراً اس کی نسبت ہمارے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر بتدریج اس کی طرف فسق اور عصیان منسوب کر دیتے ہیں، یہ بھی جدید تمدن اور تہذیب کے امراض میں سے ایک بیماری ہے، جو تمام قوم کا ستیاناس کر دیتی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے

اس کی ممانعت کی۔ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ دَوران طواف میں آپ نے اس گھر کو مخاطب کر کے فرمایا: ما اطیبك و اطیب ریحك، ما اعظمك واعظم حرمتك، والذی نفس محمد بیدہ لحرمة المومن اعظم عند اللہ حرمة منك ماله ودمه. وان یظن به خیرا "تو کس قدر پاکیزہ ہے اور تیری بُو کس قدر دل فریب ہے، تو کس قدر عظیم و جلیل ہے، اور تیری عزّت وحُرمت کس قدر زیادہ ہے، مگر محمدؐ کو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں اُس کی جان ہے، اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر مومن کے مال اور خون کی عزت وکرامت ہے اور اُس کی نسبت ہمیشہ اچھا گمان رکھنا چاہیے" بخاری میں ہے: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث، ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ "سُوءِ ظن سے پرہیز کرو، اس لیے کہ بدظنی اکذب الحدیث ہے، اور تجسس، تنافس، تحاسد اور باہمی بغض و عداوت سے بچ کر اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ" طبرانی میں ہے: ثلاث لازمات لامتی الطیرة والحسد وسوء الظن، فقال رجل وما یذهبهن یا رسول اللہ ممن هن فیه، قال صلی اللہ

علیہ وسلم اذا حسدت فاستغفر اللہ، واذا ظننت فلا تحقق، واذا تطیرت فامض۔ "میری اُمت میں تین عیوب ضرور ہوں گے، بد فالی، حسد اور سوء الظن اور اس کے دُور کرنے کی صورت یہ ہے کہ اگر حسد کا مرض پیدا ہو تو استغفار کرو، ظن و گمان کی وجہ سے تحقیق میں نہ پڑ جاؤ، اور بد فالی کے باوجود اپنا کام کئے جاؤ۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ولا تظنن بکلمۃ خرجت من اخیک المومن الاخیرا وانت تجد لھا من الخیر محملا، "تیرے مسلمان بھائی کے منہ سے اگر کوئی بات نکلے، اور اس کا اچھا محمل مل سکتا ہے تو اس کو اسی پر محمول کرو، اور اس سے بدگمان نہ ہو جاؤ۔"

جاسوسی

تجسس کہتے ہیں: البحث عما ینکتم عنک من عیوب المسلمین وعوراتھم، مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہنا، ایک شخص اپنے مکان میں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ایک کام کرتا ہے۔ اب کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی شخصی آزادی کو سلب کرے، فرزندانِ اسلام اپنی مجالس میں حریت و استقلال کے کسب و حصول، اور قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کی تجاویز پر غور کرتے ہیں۔ مگر بعض بد باطن

ان اُمور کو دشمنانِ دین و ملت کے پاس پہنچا کر اسلام کی ترقی کو روک دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سورۂ ممتحنہ میں اس جرمِ عظیم کے مرتکب کو کافر اور خارج عن الملت قرار دیا گیا ہے: ومن یفعلہ منکم فقد ضل سواء السبیل "اور تم میں سے جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرے گا وہ صراطِ مستقیم سے دور ہو جائے گا"۔

احادیث و آثار میں اس پر سخت زجر و توبیخ کی گئی ہے، نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ کو یہ نصیحت کی: انک ان اتبعت عورات الناس افسدتھم اوکدت تفسدھم، "اگر تم نے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگائی تو تم ان سب کو خراب کر دوگے"۔ ابو درداء کہتے ہیں کہ ان الفاظ نے معاویہ کو بے انتہا فائدہ پہنچایا۔ ابو داؤد میں ہے: ان الامیر اذا ابتغی الریبۃ فی الناس افسدھم، "جب امیر اپنی رعایا کو شک کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دے گا، تو گویا اس نے ان کو برباد کر دیا"۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دوران خطبہ میں فرمایا: یا معشر من امن بلسانہ ولم یدخل الایمان فی قلبہ لا تتبعوا عورات المسلمین، فانہ من اتبع عورات المسلمین فضحہ اللہ فی

تعریبتہ "اے وہ لوگ جو صرف زبان سے اسلام قبول کر چکے ہو اور

اور تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں، مسلمانوں کے عیوب کی تلاش نہ کرو، اس لئے کہ جو ایسا کرے گا، اللہ اُس کو اس کے گھر کے اندر ہی ذلیل کر دے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاسوسی کی دنارت وہی لوگ برداشت کرتے ہیں، جو صرف زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہوں اور ان کے دل ویسے ہی سیاہ اور تاریک ہوں۔

ابوداؤد میں ہے، کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں ایک شخص پیش کیا گیا جس کی نسبت لوگوں نے بیان کیا کہ اُس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے گرتے ہیں، آپ نے فرمایا: انا قد نھینا عن التجسس، ولکن ان یظھر لنا شئ نأخذ بہ "ہمیں تجسس سے روکا گیا ہے، لیکن اگر کوئی بات ہم پر ظاہر ہو جائے تو اس پر ضرور مواخذہ کریں گے" ایک مرتبہ عمر اور عبدالرحمٰن بن عوف شب کے وقت شہر کی پاسبانی کر رہے تھے کہ ایک مکان میں چراغ روشن دکھائی دیا، دونوں اس کی طرف چلے، خلیفہ نے کہا، یہ ربیعہ بن امیہ بن خلف ہے، اور وہ اس وقت شراب میں مخمور ہوگا، مشورہ ہو تو اس کے گھر میں گھس جائیں، عبدالرحمٰن نے جواب دیا: قد اتینا ما نھی اللہ عنہ قال اللہ ولا تجسسوا فقد تجسسنا، اگر ہم نے ایسا کیا تو گویا جاسوسی کے مرتکب ہوئے، حالاں کہ اللہ

نے اس سے روکا ہے۔" حضرت عمر یہ سن کر آگے بڑھ گئے، اور اس کو
اسی حالت پر چھوڑ دیا، ابن عباس فرماتے ہیں: نھی اللہ المومن
ان یتبع عورات اخیہ المومن "اپنے مسلمان بھائی کے چھپے ہوئے
عیوب کی تلاش سے اللہ نے منع کیا ہے" مجاہد کا قول ہے: خذوا
ماظھر ودعوا ماستر ہ اللہ "جو ظاہر ہو اس کو لو، اور اس کو چھوڑ دو
جس پر خدا نے پردہ پوشی کی ہے۔"

حضرت عمر ایک رات گشت لگا رہے تھے کہ ایک مکان میں سے
گانے کی آواز آئی، یہ پشت کی طرف سے اس گھر میں گھس گئے، کیا دیکھتے
ہیں کہ ایک عورت بھی موجود ہے، اور شراب کا دور چل رہا ہے، حضرت
عمر نے کہا: یا عدو اللہ ان اللہ یسترك وانت علی معصیة
"اے خدا کے دشمن خدا نے تیری پردہ پوشی کی ہے، اور تو معصیت کا ارتکاب
کر رہا ہے، اس نے کہا، امیر المومنین آپ جلدی نہ کیجئے میں نے ایک
بات میں خدا کی نافرمانی کی ہے تو آپ تین جرموں کے مرتکب ہوئے ہیں
قال اللہ تعالیٰ ولا تجسسوا وقد تجسست، وقال واتوا البیوت
من ابوابھا وقد تسورت علی، ودخلت علی بغیر اذن، و
قال اللہ لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا
علی اھلھا۔ "خدا نے تجسس سے روکا ہے، اور آپ نے وہی کیا،

خدا کہتا ہے کہ گھروں میں دروازہ سے داخل ہو، اور آپ پشت کی طرف سے داخل ہوئے، اور آپ بغیر اذن وسلام کے میرے پاس آگئے، حالاں کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ اجازت لے کر اور سلام کہہ کر داخل ہو" یہ سن کر انہوں نے کہا: فهل عندك من خير ان عفوت عنه، قال نعم فعفا عنه "اگر میں معاف کردوں تو پھر تو نیک بن جاؤ گے، اس نے اقرار کیا تو آپ نے اس کو بخش دیا"۔

کتاب وسنت کی ان تصریحات کے بعد اندازہ کیجئے اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کی تمام تر زندگی اس جرم و معصیت میں صرف ہوتی ہے، اور جن کا شب و روز کام ہی یہی ہے کہ وہ نہ صرف عام مسلمانوں کے مخفی کاموں کی ٹوہ لگاتے پھریں، بلکہ اسلامی حکومتوں کے برباد کرنے اور مسلمانوں کو غیروں کا غلام بنانے میں ان کی زندگیاں معین ہو جائیں۔

غیبت

یہ تیسری معصیت ہے جو سوسائٹی کو گندا اور ناپاک کر دیتی ہے ابو داؤد میں ابو ہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت کی تعریف پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: ذکرك اخاك بما يكره اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا کہ اگر وہ سنتا تو وہ اس کو برا خیال کرتا

تو سائل نے پوچھا: افرایت ان کان فی اخی ما اقول"، اگر میں وہی بیان کروں جو عیب اس میں ہو تو آپ نے فرمایا: ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتہ" اگر تم نے وہ عیب بیان کیا جو اس میں ہے تو یہ غیبت ہے، اور اگر ایسا نہیں تو تو نے اس پر بہتان باندھا"۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک قصیر القامت عورت آئی جب چلنے کے لئے کھڑی ہوئی تو عائشہؓ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے رسول اللہ کو یہ بتانا چاہا کہ اس کا قد کس قدر چھوٹا ہے تو آپ نے فرمایا: اغتبتھا، تو نے اس کی غیبت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا۔

حجۃ الوداع کے روز آپ نے جو شہرۂ آفاق خطبہ دیا، اس کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں: ان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ، اور یہ شہر تمہارے نزدیک قابل احترام ہے، اسی طرح تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری عزت ایک پر حرام ہے، ابو داؤد میں ہے: کل المسلم علی المسلم حرام ماله وعرضه ودمه حسب امری من الشر ان یحقر اخاہ المسلم" ایک مسلمان پر اپنے بھائی کی ہر چیز حرام ہے اس کا مال اس کی

عزت، اور اس کا خون، شرمیں سے اتنا ہی بہت کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر خیال کرے"۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں: لما عرج بی مررت بقوم لهم اظفار من نحاس یخمشون وجوههم وصدورهم، قلت من هولاء یا جبریل قال هولاء الذین یاکلون لحوم الناس ویقعون فی اعراضهم "جب میں معراج میں گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک جماعت اپنے چہروں کو پیتل کے ناخنوں سے نوچ رہی ہے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انھوں نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کرتے تھے، اور لوگوں کی آبرو برباد کرتے تھے"۔ مسند امام احمد میں جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے کہ کہیں سے سخت بو آئی، آپ نے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کیا چیز ہے، پھر خود ہی فرمایا: هذه الريح الذين يغتابون الناس، "جو لوگ دوسروں کی غیبت کرتے ہیں، یہ ان کی بدبودار ہوا ہے"۔

انتخاب کی خرابیاں

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمام مسلمانوں کو برابر کے حقوق دیئے جائیں گے، تو اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ انتخاب عامہ میں مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے ہر ایک مسلمان کو کھڑے ہونے کا حق حاصل ہوگا

البتہ جو شخص بھی انتخاب کے لئے کھڑا ہو اس کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ وہ ان تمام عیوب سے بچنے کی کوشش کرے جو عموماً انتخاب میں پیدا ہوتے ہیں اور جن کا تذکرہ ان دو آیات میں کیا گیا ہے۔

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیں اور دیکھیں کہ ایک امیدوار اپنے آپ کو کامیاب بنانے کے لئے کس قدر اخلاق اور تہذیب سے گری ہوئی باتوں کا ارتکاب کرتا ہے، اور کس طرح اپنے حریف کو گرانے کے واسطے اس کے عیوب اور معاصی کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے تو آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ ان آیات نے ان تمام جرائم کا سدّباب کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی سوسائٹی ان بداعمالیوں میں مبتلا نہیں ہو سکتی، اور اگر کوئی امیدوار ایسا کرتا ہوا پایا جائے گا تو حکومت اس کو نااہل انتخاب قرار دے گی۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس وقت تمام مہذب دنیا ان امراض میں مبتلا ہے اور ہمیشہ انتخاب کے موقع پر ان نقائص سے ہر ایک شخص کم و بیش ملوث ہو جاتا ہے، اسلام نے یہ ایک جدید اصول پیش کیا ہے، کیا دنیا کے پاس اس سے بہتر قانون ہے +

مساوات عمومی

(۱۳) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔

گزشتہ امراض اس وقت کسی شخص میں پیدا ہوتے ہیں جب وہ اپنے بھائی کو حقیر خیال کرنے لگتا ہے، اس آیت نے بتا دیا کہ سب کے سب ایک ماں اور باپ کی اولاد ہیں پھر فخر و غرور کس لئے، یہ نسب جس پر انسان اس قدر اتراتا ہے وہ تو صرف اس لئے ہے کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکیں، سورۂ نسا کی ابتدا ہی اسی مضمون سے کی گئی ہے: یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا و نساء، پس شعوب و قبائل کے اختلاف کی وجہ سے نوع انسانی کو ایک دوسرے سے اجنبی ہونے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ اور زیادہ قرب و اتصال کی ضرورت ہے۔

انسان اگراپنے اقرآن پر ممتاز ہوتا ہے تو وہ صرف حسن خلق اور تقویٰ اللہ ہے، مگر اُس کی یہ حالت ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی شخص اس کی حقیقت سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہوسکتا، پس جب واقعہ یہ ہے تو اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک انسان کو کبھی بھی دوسرے انسان پر تکبر نہ کرنا چاہیے۔

دُنیا میں سب سے پہلے جس ذات اقدس نے عام انسانی برادری کا اعلان کیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، بخاری میں ہے کہ آپ سے اکرم الناس کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اکرمھم عند اللہ اتقاھم، قالوا لیس عن ھذا نسئلک قال فاکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ، قالوا لیس عن ھذا نسئلک قال فعن معادن العرب تسألونی، قالوا نعم، قال فخیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا "اللہ کے نزدیک شریف ترین انسان صرف متقی ہے، لوگوں نے گزارش کی ہم اس کی بابت سوال نہیں کرتے، آپ نے فرمایا تو اکرم ترین یوسف علیہ السلام ہیں جن کے باپ پیغمبر، دادا پیغمبر، اور پر دادا ابراہیم خلیل اللہ ہیں، صحابہ نے کہا ہم نے یہ نہیں پوچھا تھا آپ نے کہا کیا تم قبائل عرب کی بابت دریافت

کرتے ہو، لوگوں نے کہا ہاں ہمارا یہی سوال ہے آپ نے فرمایا تم
میں جو شخص زمانۂ جاہلیت میں اچھا سمجھا جاتا تھا وہ اسلام میں بھی
اچھا ہی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دین کی سمجھ پیدا کرے۔ "مسلم میں ہے:
ان اللہ لاینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی
قلوبکم واعمالکم "اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو
نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر قلوب واعمال پر ہوتی ہے" مسند امام
احمد میں ہے، کہ آپ نے ابوذر غفاری سے فرمایا: انظر انک
لست بخیر من احمر والاسود الا ان تفضلہ بتقوی
اللہ، "دیکھو تم کسی سرخ اور سفید رنگ والے سے تقوی کے سوا بلند
مرتبہ نہیں ہو" ایک مرتبہ آپ نے کہا: کلکم بنو آدم وآدم خلق من
تراب ولینتھین قوم یفخرون بآبائھم اولیکونن اھون علی اللہ
تعالیٰ من الجعلان، حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: لوگو اللہ نے اجداد
پر فخر کرنا مٹا دیا، اب صرف دو ہی قسم کے آدمی ہیں، نیک متقی، اللہ کے
نزدیک معزز، اور دوسرا بداخلاق، بدبخت جس کی اللہ کے نزدیک کوئی
عزت نہیں، یا ایھا الناس ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ
وتعظمھا باٰبائھا، فالناس رجلان، رجل برتقی کریم علی اللہ تعالیٰ
رجل فاجر شقی ھین علی اللہ اس کے بعد آپ نے وہی آیت تلاوت کی جو زیب

عنوان ہے، مسند امام احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے بہترین آدمی کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: خیر الناس اقراھم واتقاھم للہ عز وجل وامرھم بالمعروف وانھاھم عن المنکر "بہترین شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ عالم، متقی مبلغ و داعی حق ہو" حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ما اعجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شی من الدنیا ولا اعجب احد قط الا ذو تقی، "دنیا میں سے رسول اللہ کو صرف وہ شخص پسند آتا تھا جو متقی ہو"۔

جس نسب پر آج ہم غرور کر رہے ہیں، کل اس کی کیفیت یہ ہوگی: یوم یفر المرء من اخیہ، وامہ وابیہ، وصاحبتہ وبنیہ، لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ، (۸۰: ۳۴ تا ۳۷) "اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا، اور اپنی ماں، اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے، ہر شخص اس روز ایک فکر میں ہوگا جو اسے مصروفیت کے لیے بس کرے گا" دوسری جگہ آتا ہے: لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیامۃ، وہاں قدر اگر ہے تو اس کی جو قلب سلیم لے کر آئے نسب صرف دنیوی چیز ہے، اس کو فضیلت و برتری انسان سے کوئی تعلق نہیں، اور اسی لیے قیامت کے روز اس سلسلہ نسب کو محو و باطل کر دیا جائے گا، اور اس کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا کہ وہ کس خاندان سے

تعلق رکھتا ہے، اور نہ وہ لوگ خود آپس میں ایک دوسرے کا نسب کی وجہ سے خیال کریں گے، بلکہ صرف اعمال صالحہ ہی نجات کا باعث بن سکیں گے، سورۂ مومنون میں آتا ہے: فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم ولا یتساءلون، (۲۳: ۱۰۱) پھر جب صور پھونکا جائے گا، تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی، اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

مزید تشریح

(۱۴) قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروگے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہ کرے گا، بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس اصول کی مزید توضیح کی جاتی ہے کہ عرب کے بہت سے قبائل جو نئے نئے مسلمان تھے، اور حلاوت ایمان سے ان کے دل ہنوز محروم تھے، ان کی نسبت ارشاد ہوا کہ تم اس وقت صرف ابتدائی درجہ میں داخل ہوئے ہو ابھی پکے مسلمان نہیں ہوئے۔

اس آیت میں یہ بتا دیا کہ اسلام صرف ظاہری پابندی پر اطلاق کیا جا سکتا ہے، مگر یہ درجہ کافی نہیں جب تک قلوب ایمان سے منور نہ ہوں، اس سے یہ بھی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو دین میں تازہ داخل ہوئے ہوں، انہیں اس وقت تک حق انتخاب نہ دیا جائے، جب تک کے ظاہری آثار و قرائن سے یہ بات معلوم نہ ہو جائے کہ ایمان اُن کے دلوں میں داخل ہو گیا ہے، اسی لئے اگلی آیت میں اربابِ ایمان کی خصوصیات بیان کی گئیں

حقیقت ایمان

(۱۵) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۱۶) قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ	مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے، اور خدا کی راہ میں مال اور جان سے لڑے، یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں، ان سے کہو کیا تم خدا کو اپنی دین داری جتاتے ہو، اور خدا تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے اور خدا ہر شے کو جانتا ہے

اِسلام تو محض زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے، اصل ایمان یہ ہے کہ خدا کی صداقت میں ایک لمحہ کے لئے بھی شک و شبہ نہ ہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے: لوکشف الحجاب ما ازددت یقیناً "اگر یہ پردے بھی میرے سامنے سے اُٹھ جائیں، تو میرے

یقین میں زیادتی نہ ہوگی"۔ حدیث جبرئیل میں کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک، اسی کی اعلیٰ ترین منزل ہے، جب یہ کیفیت ایمانیہ اس پر طاری ہوگی، تو وہ اپنی جان، اپنا مال، غرض یہ کہ سب کچھ ایک ہی محبوب حقیقی کے نام پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہے گا، اسی کی صدا بلند کرنا، اور اس کو دنیا کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں پہنچانا اس کا مقصد زندگی بن جائے گا، بس یہ لوگ ایمان اور صداقت کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔

مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الاسلام علانیۃ والایمان فی القلب ثم یشیر بیدہ الی صدرہ ثلاث مرات ویقول التقوی ھھنا، التقوی ھھنا "اسلام ظاہر اور ایمان دل میں، پھر آپ نے سینہ کی طرف تین مرتبہ اشارہ کرکے فرمایا کہ تقویٰ اِس جگہ ہے"۔ اسی میں ہے کہ آپ نے ارباب ایمان کو تین حصول پر تقسیم کیا ہے: الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذی یامنہ الناس علی اموالھم وانفسھم والذی اذا اشرف علی طمع یذکر اللہ عزوجل "ایک وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا، اور اپنی جان و مال کو اس کی راہ میں لٹا دیا، دوسرے وہ ہیں کہ لوگوں کے مال اور اُن کی جانیں اُن سے اُمن میں ہیں، اور تیسرا وہ شخص ہے، کہ جب اس پر طمع غالب آنے لگتی ہے تو فوراً اللہ کو یاد کرلیتا ہے"۔

ہر شخص کے تقویٰ اور طہارت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے، اُسے بتانے کی ضرورت نہیں، وہ عالم السرائر والخفایا ہے، انسان کا کام یہ ہے کہ وہ تقویٰ اللہ کو اپنا شعار بنائے، اور کبھی یہ خیال نہ کرے کہ اس نے اپنے مقصد کو پا لیا اس لئے کہ ارتقائے انسانی کی کوئی حد معین نہیں کی جا سکتی پھر ہم کیوں ایک جگہ جا کر رُک جائیں، بلکہ یوں دُعا کریں: واجعلنا للمتقین اماما۔ "ہمیں متقین کا امام و پیشوا بنا"۔

اللہ کا احسان

(۱۷) يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۱۸) إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں، کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو، بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا، بشرطیکہ تم سچے مسلمان ہو، بیشک خدا آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔

نسائی میں ہے کہ قبیلہ بنو اسد کے لوگ دربار رسالت میں حاضر ہو کر احسان کے طور پر کہنے لگے: اسلمنا وقاتلت العرب ولم نقاتلک، "ہم نے اسلام قبول کیا، قبائل عرب نے آپ سے جنگ کی، مگر ہم اس سے محترز رہے" گویا یہ لوگ اسلام لا کر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے آپ پر بڑا احسان کیا، حالانکہ ایسا کہنا ہی یکسر غلط ہے، بلکہ خود ان پر یہ خدا کا فضل و احسان ہے کہ وہ انہیں راہ حق دکھاتا ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ حنین میں

انصار کو مخاطب کرکے فرمایا: الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی، وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی، وکنتم عالۃ فاغنکم اللہ بی، کیا میں نے تمہیں گمراہ نہ پایا، پھر میری وساطت سے خدا نے تمہیں ہدایت دی، تم الگ الگ تھے، میرے ذریعہ سے خدا نے تم میں اتحاد پیدا کیا، تم مفلس تھے، میری وجہ سے خدا نے تمہیں دولت مند کر دیا، وہ لوگ ہر ایک سوال کے جواب میں عرض کرتے تھے: اللہ و رسولہ امن، بیشک اللہ اور اس کے رسول نے ہم پر سب سے زیادہ احسان کیا ہے۔"

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ذراسی خدمت بھی ملک اور قوم کی کرتے ہیں تو ہر کوچہ و بازار میں اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کے رہنماؤں، لیڈروں اور عام لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس خدمت کی وجہ سے انہوں نے دنیائے اسلام پر عظیم الشان احسان کیا ہے، اور آج کل خصوصاً یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے، ان لوگوں کو تو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے انہیں خدمت ملت کی توفیق بخشی، اور ہدایت و سعادت کی طرف اُن کی راہ نمائی کی۔

اس قسم کا اشتہار و اعلان تو اُن مسلمانوں کے درجہ سے گری ہوئی بات ہے، اللہ تو غیب السموٰت والارض سے واقف ہے، وہ ان اعمال کے ان اثرات و نتائج کو بھی جانتا ہے جو ان کے قلوب اور اخلاق میں پیدا ہوں گے پس جب حالت یہ ہے تو ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ ظاہر کئے بغیر ملک و ملت کی خدمت میں مصروف رہے، اور اس پر خدا کا شکر بجا لائے، واللہ اعلم بالصواب۔ الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات